ماہنامہ

مدیر: ناصر احمد بی۔ اے، ایل ایل بی

جلد ۸۳ مئی، جون ۱۹۹۹ء شمارہ ۔۔ ۵، ۶

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے

پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

انگریزی سے ترجمہ

ممتاز احمد باجوہ۔ ایم اے، ایم ایڈ

نیا نظام عالم۔ ۴

حضرت مولانا محمد علی صاحب کی معروف کتاب "نیو ورلڈ آرڈر" کا ترجمہ جو دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر ۱۹۴۴ء میں لکھی گئی۔ اس میں بین الاقوامی مسائل پر اسلامی نکتہ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس وقت جو نتائج یا خدشے ظاہر کئے گئے تھے انہوں نے اب عملی شکل اختیار کرلی ہے

باب سوم: گھریلو زندگی

ایک مستحکم سماجی نظام کے لئے جنسی مسائل کا حل اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ معاشی مسائل اور ان کا حل۔ گھر انسانی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ عام حالات میں انسانی خوشی کا اندازہ ان حالات سے لگایا جاتا ہے جو گھر میں موجود ہو۔ گھر میں مستحکم حالات ایک جاندار تہذیب کا عکس ہوتے ہیں اور چونکہ مرد اور عورت ملکر گھر بناتے ہیں۔ اس لئے ان میں صحیح قسم کی ہم آہنگی اور خوشگوار تعلقات ہوں تو گھر میں خوشی اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔

انسانیت کو عورت کے صحیح مقام کو سمجھنے میں کافی لمبا عرصہ لگا ہے۔ مدتوں تک اس کو غلام اور اپنے خاوند کی جائیداد سمجھا جاتا تھا۔ اس کو مساوی حیثیت حاصل نہ تھی۔ ایک مرد تو جائیداد کا مالک ہو سکتا تھا لیکن ایک عورت کوئی جائیداد نہ رکھ سکتی تھی۔ اور نہ ہی اپنے نام سے کوئی لین دین کر سکتی تھی اور اس لئے لفظ شخص حقیقی معنوں میں اس کے لئے استعمال نہ ہو سکتا تھا۔ ایک بیٹی، بیوی اور ماں کی حیثیت سے اسے بہت ہی کم حقوق حاصل تھے۔ بیٹی کی حیثیت سے وہ باپ کی اور بیوی کی حیثیت سے وہ خاوند کی جائیداد تھی۔ نسل انسانی کی یہ بے شخصیت آدھی آبادی پوری نسل کی پرورش کی ذمہ دار تھی، جسے غلام بنایا ہوا تھا۔ اگر عورت پر زندگی کے مساوی فوائد کے حصول کے دروازے بند تھے تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ اسے روحانی فوائد حاصل کرنے کے قابل سمجھا جاتا۔ عیسائیت میں خود شادی کو انسان کی روحانی ترقی میں رکاوٹ سمجھا جاتا تھا۔

عیسائیت کا اثر کم ہو جانے اور مادی تہذیب کی ترقی کی وجہ سے عورت نے اپنے حقوق کے حصول کی جدوجہد شروع کی۔ اور کچھ حد تک اس میں اس نے کامیابی بھی حاصل کرلی ہے لیکن دنیاوی میدان میں کچھ فائدے حاصل کرنے کے بالمقابل اسے گھریلو زندگی کی خوشی اور استحکام میں کچھ نقصان بھی برداشت کرنا پڑا ہے۔ مادیت نے مذہب کی گرفت کو کمزور کردیا اور نتیجتاً جنسی تعلقات کے متعلق آزاد خیالی کا دور شروع ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ آزاد محبت کی طرف جارہا ہے اور شادی کو ناپسند کیا جا رہا ہے اس وجہ سے نہیں کہ اس میں کوئی بنیادی نقص ہے بلکہ اس لئے کہ شادی دونوں شریکوں پر چند مخصوص ذمہ داریاں عائد کرتی ہے جو گھریلو زندگی بنانے کے لئے بے حد ضروری ہوتی ہیں۔ مادی نقطہ نظر نے انسان کو خود غرض بنادیا ہے اور وہ ہر قسم کی خوشی حاصل تو کرنا چاہتا ہے لیکن وہ زندگی کی سنجیدہ ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتا ہے۔ تاکہ وہ بے فکری کی زندگی گزار سکے لیکن زندگی میں خوشیوں کے ساتھ پریشانیاں اور غم بھی ہوتے ہیں اور شادی جہاں مرد و عورت میں محبت کے تعلقات کو مضبوط کرتی اور ان کی خوشیوں کو دوبالا کرتی ہے آپس کے تفکرات اور غموں میں ساتھی بھی بنائے رکھتی ہے۔ آزاد محبت دونوں شریکوں کو حد درجہ خود غرض بنا دیتی ہے۔ مرد اور عورت خوشی میں شریک تو رہتے ہیں۔ لیکن مصیبت میں ایک دوسرے کو چھوڑ جانے کے لئے آزاد ہوتے ہیں۔

اسلام کے سماجی نظام نے مرد اور عورت دونوں جنسوں میں تعلقات مستحکم کرنے میں انقلابی اقدام اٹھائے ہیں۔ اس نے یہ قدم

عورت کے اس بنیادی حق کو تسلیم کرنے سے شروع کیا۔ کہ اسے ایک آزاد شہری کی حیثیت سے قانونی حقوق حاصل ہیں مثلاً وہ جائیداد رکھ سکتی ہے اور اس کو اپنی مرضی سے فروخت بھی کر سکتی ہے۔ اس معاملہ میں وہ ہر لحاظ سے مرد کے مساوی ہے اب وہ مرد کی جائیداد نہیں رہی بلکہ اس کی حصہ دار ہے اور مرد کی طرح مساوی حقوق رکھتی ہے کہ کمائے اور جائیداد کی مالک ہو اور اس طرح آدھی نسل انسانی کو آزاد کرنے کی بنیاد ڈالی گئی۔ عورت ایک جائیداد ہونے کی حیثیت سے ترقی کر کے ایک شخصیت قرار دی گئی جو کسی لحاظ سے آدمی سے کمتر نہیں۔ وہ دولت کما سکتی ہے۔ وہ ہر کام جو وہ پسند کرے کر سکتی ہے۔ وہ مرد کی طرح اپنی محنت کا پھل حاصل کر سکتی ہے۔ عورت کے مقام میں یہ انقلاب تیرہ سو سال پیشتر مندرجہ ذیل الفاظ میں لایا گیا۔

"مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔ (۴/۳۲)

اس طرح عورت کو کمانے اور جائیداد کا مالک ہونے کا اسی طرح حق حاصل ہے جس طرح مرد کو۔ اسلام کے سماجی نظام میں دونوں جنسوں میں اس لحاظ سے کسی قسم کا فرق روا نہیں رکھا گیا۔ وہ اسی طرح خرید و فروخت کر سکتی ہے جس طرح کہ مرد۔ کوئی چیز جو وہ پسند کرے کسی کو بطور تحفہ دے سکتی ہے۔

"اور عورتوں کو ان کے مہر بلا بدل دو۔ پھر اگر وہ خوشی سے اس میں سے کچھ تمہارے لئے خود دیں تو اسے خوشگواری سے کھاؤ"
(۴/۴)

تاہم اسلام صرف اس اصلاح پر ہی ٹھہر نہیں گیا جو بذات خود ایک حیران کن قدم تھا۔ اس نے عورت کو جائیداد میں حق وراثت مرد کی طرح دیا ہے۔ عربوں میں بڑا سخت رواج تھا کہ وہی جائیداد کا وارث ہو سکتا تھا جو دشمنوں سے قبیلے کی حفاظت کر سکے۔ یہ ایسا کام تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے عورت کی تشکیل ہی نہ کی تھی۔ تاہم وہ اصول جس کی بنا پر اسلام نے عورت کو مرد کے مساوی درجہ دیا اس کو زندگی کی تمامتر تفصیلات میں ملحوظ خاطر رکھا۔ اگر وہ جائیداد کی مالک بن سکتی ہے اور اگر وہ جائیداد فروخت بھی کر سکتی ہے اور اس کا انتظام بھی کر سکتی ہے تو پھر وہ حق وراثت سے محروم نہیں کی جا سکتی۔ اس عام قائدہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ "اور مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی چھوڑیں اور عورتوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور قریبی چھوڑیں"۔
(۴/۷)

یہ وہ تبدیلی تھی جو اسلام کا سماجی نظام عورت کی حیثیت میں لایا۔ اسی اصول کو روحانی معاملات پر بھی اطلاق کیا گیا۔ عورت روحانی طور پر بھی مرد کے برابر ہے۔ "میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے سے ہو"۔ (۳/۱۹۵)

"جو نیکی کرتا ہے مرد ہو یا عورت۔ اور وہ مومن ہو تو وہی بہشت میں داخل ہوں گے۔ (۴۰/۴۰)

"جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہے ہم یقیناً اسے ایک پاک زندگی میں زندہ رکھیں گے"۔ (۱۶/۹۷)

قرآن کریم جو خدا تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ وہ بھی وحی الٰہی کا عورت پر نزول کا ذکر کرتا ہے۔ (۳/۴۱، ۲۸/۷) چونکہ شادی اسلام میں انسان کی روحانی ترقی میں رکاوٹ کا باعث نہیں ہے۔ بلکہ یہ ممد و معاون ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ انسان کی روحانی صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں۔ "خدا تعالیٰ نے تمہارے نفسوں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے تسکین پاؤ"۔ (۳۰/۲۱)

"عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو"۔ (۲/۱۸۷) خاوند اور بیوی کے درمیان باہمی محبت کی بنیاد وقتی جذبات پر نہیں بلکہ تمام زندگی کے بندھن پر ہے۔ نتیجتاً بچوں سے والدین کی محبت وجود میں آتی ہے اور اس طرح ایک آدمی کی دوسری آدمی سے محبت کے جذبات کی نمایاں طور پر نشوونما کی راہ ہموار ہوتی ہے اور اس سے انسانوں میں بے غرض خدمت کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ مرد کا عورت کی طرف قدرتی میلان اور عورت کا مرد کی طرف میلان کا اظہار شادی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ پہلے یہ بچوں کے ساتھ محبت کی شکل اختیار کرتا ہے۔ پھر ایک دوسرے کے رشتہ داروں سے انست پیدا ہوتی ہے اور پھر تمام انسانیت کے لئے بے غرض محبت پروان چڑھانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ گھر محبت اور خدمت کی پہلی تربیت گاہ ہے۔ یہاں آدمی دوسروں کیلئے تکلیف اٹھا کر فرحت محسوس کرتا ہے۔ پھر خدمت کا یہ جذبہ بڑھتا اور وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس طرح اسلام شادی کو انسان کی اخلاقی ترقی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اور محبت اور خدمت کے ان جذبات کی نشوونما کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے

جو آج انسانیت کے لئے قابل فخر ہیں۔ اسلام کے سماجی اقدار کے مطابق شادی وہ طریق زندگی یا معمول ہے جو ہر مرد اور عورت کو اختیار کرنا چاہئے۔ قرآن کریم اپنے تمام ماننے والوں پر فرض قرار دیتا ہے کہ وہ شادی شدہ زندگی گزاریں۔ (۳۲/۲۴) "تم میں سے جو مجرد (اکیلے) ہیں ان کے نکاح کر دو"۔ نبی کریمؐ سے روایت ہے کہ انہوں نے چند موجود نوجوانوں کو ان کے راہبانہ رجحانات کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا۔ "میں شادی شدہ ہوں۔ جس نے میرے راستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا۔ مجھ سے نہیں" (بخاری ۶۷/۱) ایک دوسرے موقع پر فرمایا۔ "اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں جو کوئی بیوی رکھ سکتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ شادی کرے۔ کیونکہ یہ نظریں نیچی رکھنے اور عصمت کی حفاظت کرنے کا بہترین طریق ہے" (بخاری ۶۷/۲) ایک اور حدیث میں آیا ہے "جو شخص شادی کرتا ہے اپنا نصف دین مکمل کرتا ہے"۔

اسلامی سماجی نظام کے مطابق شادی ایک ایسا معاہدہ ہے (۴/۲۱) جو دونوں شریک یعنی مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے گواہوں کی موجودگی میں پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک اسلامی گھر میں مرد اور عورت برابری کی بنیاد پر دو شریک ہوتے ہیں۔ جن کے اپنے حقوق و فرائض ہیں۔ تاہم انسانی معاشرہ جس بنیاد پر تشکیل پاتا ہے اس میں شادی کا معاہدہ عام معاہدوں کی طرح نہیں ہوتا اس کی اشاعت اور اعلان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایک حقیقت جو شادی اور ناجائز جنسی تعلقات میں فرق کرتی ہے اس کا کھلے بندوں اعلان ہے۔ (۴/۲۴، ۵/۵) شادی کے معاہدہ کی تمام لوگوں کو اطلاع ہونی چاہئے۔ ڈھول کے ذریعہ بھی یا کسی ایسی جگہ جہاں عام لوگ موجود ہوں۔ حضور صلعم نے فرمایا شادی کا اعلان کرو۔ ایسی مجلس کا انعقاد مسجد میں کرو اور اس کا اعلان ڈھول پیٹ کر کرو"۔ (مشکوۃ ۱۳/۴)

شادی کو اعلان کرنے کے علاوہ اس سے پہلے خطبہ کے ذریعہ اس کو خصوصی تقدس دیا گیا ہے۔ اس خطبے میں قرآن کریم کی چند مخصوص آیات کی تلاوت کی جاتی ہے (۳/۱۱۱، ۴/۱، ۳۳/۷۰)۔ یہ آیات زندگی کی ایک بڑی ضرورت کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ جو اس کا مرکزی نقطہ ہے کہ ہمارے اوپر ایک خدا تعالیٰ ہے جس کے سامنے مرد و زن اپنی اپنی ذمہ داریوں کے لئے جوابدہ ہیں۔ اس لئے اس معاہدے کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔ ہر حق جو فریقین کو ایک دوسرے کے متعلق حاصل ہے اور ہر فرض جو ان کے ذمہ ہوتا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے۔ جسکا قانون تمام قوانین سے بڑھ کر ہے۔ شادی کے موقعہ پر عورت کے لئے حق مہر بھی مقرر کیا جاتا ہے۔ حق مہر کا مقرر کرنا جو عورت کو کچھ جائیداد یا مال کا مالک بنا دیتا ہے۔ ظاہر کرتا ہے کہ عورت کا بیوی بنکر اپنے کسی حق کو ضائع کرنے کی بجائے خود ایک مکمل فرد کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

اسلامی سماجی نظام میں بیوی کی شخصیت خاوند میں گڈمڈ نہیں ہو جاتی۔ معاشرے میں ایک فرد کی حیثیت سے جو درجہ وہ رکھتی ہے اس کے کسی حق میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس کی نئی زندگی نئی ذمہ داریاں لاتی ہے جو ساتھ ہی نئے حقوق بھی اس کو دیتی ہے۔ (۲/۲۲۸) "اور (عورتوں) کے لئے پسندیدہ طور پر (حقوق) ہیں جیسے ان پر (حقوق) ہیں۔"

حدیث میں اس سلسلہ میں جامع قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔ "تم میں سے ہر ایک شخص حاکم ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ بادشاہ ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا اور مرد اپنے اہل کا حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر میں حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (بخاری (۶۷/۹۱)۔ گھر قوم کی وسیع تر تنظیم میں ایک اکائی ہے اور جس طرح وسیع قومی تنظیم میں ایک فرد واحد حتمی اختیار رکھتا ہے اسی طرح گھر کی چھوٹی تنظیم میں بھی ایسے ہی انتظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاوند کو گھر کے تمام افراد پر حکمران قرار دیا گیا ہے اور بیوی کو خاوند کے گھر اور اس کے بچوں پر حکمران قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح سے گھر چھوٹے پیمانے پر ایک ریاست ہے جہاں خاوند اور بیوی ملکر اپنا اختیار استعمال کرتے ہیں لیکن جب کسی ایک کو حتمی اختیار حاصل نہ ہو گا تو گھر کی مملکت میں غیر یقینی حالت رہے گی۔ قرآن کریم نے خاوند کو حتمی اختیار دینے کی وجہ اس طرح بیان کی ہے۔ "مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی اس لئے کہ انہوں نے اپنے مالوں میں سے کچھ خرچ کیا ہے (۴/۳۴) خاوند بیوی کی ضروریات کو پورا کرتا ہے اور گھریلو معاملات کا حتمی طور پر ذمہ دار ہوتا ہے اور اس طرح سے بیویوں پر اپنے اختیار کا بوقت ضرورت اظہار کرتا ہے۔ یہ صرف مرد ہی ہے جس کو خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ اور اسی لئے اس کو اعلیٰ اختیار حاصل ہونا چاہئے۔

خاوند اور بیوی کے دائرہ کارکردگی بالکل نمایاں ہیں۔ ہر کسی کو وہی ذمہ داری سونپی گئی ہے جس کے لئے اس میں فطرتی یا قدرتی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ آدمی عورت سے جسمانی ساخت میں زیادہ مضبوط ہوتا ہے وہ زیادہ تکالیف اور سختی کو برداشت کر سکتا اور زیادہ خطرات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ دوسری طرف عورت میں مرد سے محبت اور شفقت کی خصوصیات زیادہ ہوتی ہیں۔ قدرت نے مخلوق کی افزائش کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے انسانوں میں عورتوں کو اور دوسروں جانوروں میں بھی نر کی نسبت مادہ میں محبت کا زیادہ بلند درجہ عطا فرمایا ہے۔ اس طرح مرد اور عورت میں کام کی قدرتی تقسیم کر دی گئی ہے۔ انسانیت کی بھلائی اور ترقی کو پروان چڑھانے کے لئے، مرد اپنے زیادہ مضبوط جسمانی ساخت کی وجہ سے زندگی کی مشکلات سے بہتر طور پر عہدہ برا ہو سکتا ہے۔ عورت بچوں کی بہترین تربیت کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں پیار اور شفقت کی خوبی زیادہ غالب اور بھرپور ہوتی ہے اس لئے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری خاوند پر ڈالی گئی ہے۔ لیکن بچوں کی نگہداشت اور پرورش کو بیوی کے فرائض میں شامل کیا گیا ہے ہر ایک کو اسی قسم کا اختیار دیا گیا ہے جو اس کے فرائض کی ادائیگی کے مناسب حال ہے۔

یہ تقسیم کار صرف ایک عام اصول کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عورت کو دیگر تمام قسم کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی ممانعت ہے۔ گھریلو معاملات کی نگرانی اور بچوں کی پرورش کی حقیقی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے عورت مسلمانوں کے معاشرہ میں تمام قسم کی قومی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھی۔ اسی طرح بچوں کی دیکھ بھال نے اسے مسجد میں جانے اور باجماعت نماز کی ادائیگی سے کبھی نہیں روکا۔ (بخاری ۱۰/۱۶۲) اور نہ ہی بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری روک بنی کہ وہ میدان جنگ میں سپاہیوں کے لئے مثلاً کھانے پینے کی چیزوں کا پہنچانا (بخاری ۶۶/۵۶) یا مختلف قسم کی خدمات سرانجام دینا۔ (بخاری ۶۷/۵۶) بیماروں کی عیادت اور دیکھ بھال (بخاری ۶۸/۵۶) اور نہ ہی زخمیوں اور شہدا کو میدان جنگ سے ہٹانے وغیرہ میں اس کے لئے کبھی رکاوٹ بنا۔ وہ کسی کام کو جو وہ پسند کرے کر سکتی ہے۔ عورتیں کھیتوں میں اپنے خاوندوں کے کام میں مدد کرتیں تھیں۔ (بخاری ۶۷/۱۰۸) وہ کاروبار کر سکتی تھیں۔ (بخاری ۱۱/ ۴۰) وہ مردوں سے خرید و فروخت کر سکتی تھیں اور اسی طرح مرد فروخت کر سکتے اور وہ ان سے خرید کر سکتیں تھیں۔ (بخاری ۶۷:۳۴) اسی طرح مرد بھی اپنی بیویوں کو گھریلو کاموں میں مدد کرتے تھے۔

اسلام کے سماجی نظام میں بیوی سے نیکی اور مہربانی کا سلوک کرنے کی بار بار ہدایت کی گئی ہے۔ "ان سے اچھے ساتھیوں کی طرح سلوک کرو اور ان سے مہربانی سے پیش آؤ۔ (۲۲۹/۲، ۱۹/۴) جب وہ اسے ناپسند بھی ہو تو اس حالت میں بھی اس سے مہربانی کے سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ "ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو حالانکہ خدا نے تمہارے لئے اس میں بہت سی خیر رکھی ہو"۔ (۱۹/۴) اسی طرح حدیث شریف میں بھی بیوی کے ساتھ اچھا اور نیک سلوک کرنے پر بے حد زور دیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلعم کی مشہور حدیث ہے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی سے نیک سلوک کرنے میں سب میں سے بہتر ہے۔ (مشکوۃ ۱۳/۱۱) حج الوداع کے مشہور خطبے میں بھی دوبارہ حضرت نبی کریمؐ نے عورتوں سے نیک سلوک کرنے پر زور دیا ہے۔ فرمایا اے میرے لوگو تمہارے اپنی بیویوں پر چند حقوق ہیں اور تمہاری بیویوں کے چند حقوق تم پر ہیں۔ وہ خدا کی تمہارے پاس بطور امانت ہیں۔ پس تمہیں ان سے بہت مہربانی سے پیش آنا چاہئے۔ (مشکوۃ ۱۵/۱۹)

اسلام میں اگرچہ شادی صرف ایک سماجی معاہدہ ہے۔ لیکن اس کے نتیجے میں انسانی بہبود کے حوالے سے جو حقوق اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس نے ان کو بے انتہا اہم بنا دیا ہے اور اس لحاظ سے اسے ایک خاص تقدس حاصل ہے۔ اسلام میں شادی کو ایک مقدس حیثیت دینے کے باوجود خاص حالات میں اس تعلق کو ختم کرنے کا دروازہ بھی کھلا رکھا گیا ہے۔ اسلام سے قبل طلاق کے معاملہ میں لوگ افراط و تفریط سے کام لیتے تھے۔ ہندو قانون کے مطابق ایک دفعہ شادی ہونے پر کبھی بھی علیحدگی نہیں ہو سکتی۔ یہودی قانون کے مطابق طلاق کا حق مرد کو حاصل ہے جو اپنی مرضی کے مطابق اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ عیسائیت میں طلاق صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک بے وفائی کی راہ اختیار کرے۔ لیکن مطلقہ میاں بیوی کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت نہیں۔ اسلام ان تمام انتہاؤں کے درمیانی میانہ روی کو اختیار کرتا ہے۔ یہ طلاق کی اجازت ضرور دیتا ہے لیکن اسے قابل نفرت بھی سمجھتا ہے۔ یہ صلح اور صفائی کی تمام کوششوں کو بروئے کار لانا چاہتا ہے۔ عورت کے طلاق لینے کے حق کو کسی تسلی بخش اور مناسب وجہ کی بنا تسلیم کرتا ہے جبکہ خاوند کے

طلاق دینے پر بھی پابندیاں لگاتا ہے۔

قرآن کریم کے مطابق طلاق میں یہ اصول مدنظر رکھا گیا ہے کہ اب خاوند اور بیوی اس حیثیت سے مزید اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ شادی دراصل میاں بیوی کی حیثیت سے اکٹھے رہنے کا ایک معاہدہ ہے۔ اس لئے جب دونوں شریک میں سے ایک بھی اس طریق زندگی پر راضی نہیں تو طلاق واقع ہو جانی چاہئے۔ تاہم طلاق کے معاملے میں مسلمان اسے قابل نفرت سمجھتا ہے۔

"اللہ کے نزدیک طلاق حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ قابل کراہت ہے"۔ (ابو داؤد ۱۳/۳) جب دونوں ساتھیوں میں سے ایک یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ نبھا نہیں کر سکتا۔ تو اس حالت میں بھی اس کو یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو اللہ نے اس میں تمہارے لئے بہت زیادہ خیر رکھی ہو" (۱۹/۴)۔ جہاں تک ممکن ہو طلاق سے بچنے کے لئے کئی علاج تجویز کئے گئے ہیں۔ "اگر تم کو خوف ہو کہ تم حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے تو ایک منصف مرد کی طرف سے اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں صلح کرنے پر آمادہ ہوں۔ اللہ ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر دے گا۔" (۳۵/۴) ایسی تعلیمات کی وجہ سے ایک مسلمان کا ذہن شادی شدہ زندگی کی تکالیف کو اس کی رحمتوں سمیت قبول کرنے کی کوشش کرتا ہے اور شادی کے تعلق کو ٹوٹنے سے بچانے کی انتہائی کوشش کرتا ہے۔ اور آخری علاج کے طور پر طلاق کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس طرح باوجود یہ کہ طلاق حاصل کرنے کی سہولتیں موجود ہیں عام طور پر اس قسم کے معاملات کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مسلمانوں میں طلاق عیسائی ممالک کے مقابلہ میں نسبتاً بہت کم ہوتے ہیں جہاں اسلام جیسے سماجی قوانین کی گرفت کمزور ہے۔ اسی لئے ان ممالک میں طلاق کی فی صد شرح بہت زیادہ ہے۔

اسلامی سماجی نظام کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عصمت اور پاک دامنی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ عورت کی پاکدامنی کی حفاظت کے لئے اسلام نے جو تدابیر اختیار کی ہیں۔ ان کو اسلام کے مخالفین نے غلط سمجھا ہے۔ دنیا کے مختلف معاشروں کا سرسری جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں تک جنسی اخلاقیات کا تعلق ہے اسلامی سماج بہت بلند مقام پر کھڑا ہے۔ فحاشی مغربی ممالک میں بہت زیادہ عام ہے۔ ہندوستان میں اس کا مذہبی زندگی سے بھی تعلق ہے۔ مسلم ممالک میں یہ تقریباً ناپید ہے۔ اسلام کے ظہور سے پہلے عرب میں بھی یہ موجود تھی۔ لیکن اسلام نے اس کو اس طرح جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے کہ مسلم معاشرے میں کہیں بھی یہ اپنی جڑیں قائم نہیں کر سکی۔ فحاشی کی موجودگی کی دوسری وجوہات کے علاوہ لامحدود جنسی ہوس پرستی اور جنسی معاملات میں اخلاقی پستی ہے اکثر ممالک میں مردوں کی عورتوں سے تعداد میں زیادتی ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اظہار مردم شماری نے واضح طور پر کر دیا ہے۔ تقریباً" یورپ کے تمام ممالک میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ ہے۔ اور خوفناک جنگیں جو ایسا دکھائی دیتا ہے یورپ کی معمول کی زندگی کا ایک حصہ بن چکی ہیں اس تعداد میں مزید اضافہ کر رہی ہیں۔ یورپ کے اخلاقیات کے مفکروں کے سامنے یہ سوال ہے کہ عورتوں کی اس زیادہ تعداد کے اثرات پر کیسے قابو پایا جائے۔ قدرت کا اپنا ایک نظام ہے۔ اگر بروقت اقدامات نہ کئے گئے تو فحاشی و بدکاری کی برائی بڑھتی رہے گی۔ جو یورپ کی عورت کے ماتھے پر کلنک کا داغ ہے اور جو بالاخر یورپین معاشرے کی بنیادوں کو تباہ کر دے گی۔

اسلام بھی اپنے ابتدائی دور میں ایسے ہی حالات سے دوچار تھا۔ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر جنگیں مسلط کیں کیونکہ ان کے مخالفین نے اسلام کو تباہ کرنے کا پکا ارادہ کیا ہوا تھا۔ مردوں کی تعداد بہت حد تک کم ہو گئی اور بہت سے گھر بیواؤں اور یتیموں سے بھر گئے۔ اسلام نے قبل از وقت اس کے برے نتائج کو واضح طور پر محسوس کیا۔ محروم اور مصیبت زدہ افراد کے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا انتظام تو آسانی سے ہو سکتا تھا لیکن قدرت کی ودیعت کردہ فطرت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جنسی تسکین بھی جسمانی بھوک اور پیاس کی سنگینی کی طرح ایک حقیقت ہوتی ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اسلام نے محدود تعدد ازدواج کی اجازت دی۔ جس آیت کی روح سے اس محدود تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی ہے اس میں واضح طور پر ان حالات کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ "اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایسی عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں۔" (۳/۴) تعدد ازدواج کی اجازت اس لئے نہیں دی گئی تھی کہ مرد ایک سے زیادہ بیویوں کی خواہش کرتے تھے بلکہ اس لئے کہ بیوائیں اور یتیم غیر محفوظ اور بے یارومددگار رہ گئے تھے۔ ☆ ان کو گھروں کا تحفظ دینا ضروری تھا۔ اسلام کا

اولین مقصد کردار سازی تھا۔ اس کی روح کی حفاظت کا خیال رکھے بغیر اس کو گھر مہیا کئے بغیر۔ اس کی عصمت و عزت کی حفاظت کے متعلق انتظامات کئے بغیر اور اس کو ایسے ذرائع مہیا کئے بغیر جن کے ذریعہ وہ اپنی ذات کے تقاضوں کی تکمیل کر سکے ہمدردی کے طور پر صرف مالی آسائش دیکر اس کی مشکلات کا حل اسلام کے نزدیک تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسے حل کا تعلق صرف اس کے جسم سے تھا۔ اس سے وہ اپنی روح اور عفت کی حفاظت نہ کر سکتی۔ مادی حل میں اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اگر اس کو اپنی عصمت چند روپوں کے بدلے فروخت کرنی پڑے۔ بعض اوقات ایسا صرف وہ جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کرتی ہے۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے یہ سب کچھ ہر مادی تہذیب کے مراکز اور شہروں میں ہو رہا ہے جہاں بعض اوقات عورت کو گزر اوقات اور رہائش کے لئے اپنی عصمت فروخت کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ حل اسلام کے نزدیک سخت ناپسندیدہ تھا۔ اسلام کا اولین مقصد روح کی اصلاح تھی۔ یہ عورت کی عفت کو بہت اہمیت دیتا ہے اس لئے سب سے پہلے اس کو اس روح کی حفاظت کے ذرائع مہیا کرنے پڑے۔ پس حضرت نبی کریمؐ نے وحی الٰہی کے ماتحت محدود تعدد ازدواج کی اجازت دی۔ جو ان سے پہلے پیغمبروں نے بھی دی تھی۔ دیگر انتظامات بیوہ اور یتیم عورتوں کی گزر اوقات کے لئے تو ہو سکتے تھے لیکن گھریلو زندگی کا تحفظ اس طریقے کے علاوہ مہیا نہیں ہو سکتا تھا اور گھریلو زندگی ہی وہ حقیقی ذریعہ ہے جو تمام اچھائیوں شفقت اور محبت کو نشوونما دیتا ہے۔ اور یہی معاشرتی زندگی اور تہذیب کا سب سے بڑا اثاثہ بن سکتا ہے۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد گھر کی زندگی ہے۔ غیر معمولی حالات کے پیش نظر جہاں ایک عورت اور مرد کی شادی کا طریق عورت کو گھریلو زندگی کی سہولت مہیا کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اسلام محدود تعدد ازدواج کی اجازت دیتا ہے تاکہ ان کو یہ ضروری سہولت مہیا کی جاسکے۔ جو عام صورتحال میں ممکن نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ عورت کو تعدد ازدواج میں آدھا گھر ہی ملتا ہے لیکن اس کے لئے گھر نہ ملنے سے تو بہرحال یہ بہتر صورت ہے۔ اور اس گھر کے نہ ہونے کا مطلب کیا ہے صرف یہی نہیں کہ عورت کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں؟ صرف یہی نہیں کہ اس کو خدا داد صلاحیتوں محبت و شفقت کو نشوونما دینے سے محروم کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ زیادہ تر معاملات میں یہ صورتحال اخلاقی گراوٹ کا باعث ہونگے۔ جو تہذیب کے لئے سب سے بڑا خطرہ ثابت ہوتا ہے۔ یک زوجی طریقہ بلاشبہ عام حالات کی زندگی میں ایک صحیح اصول ہے۔ لیکن جب غیر معمولی حالات کی وجہ سے عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جائے۔ یک زوجی طریقہ ناکام ہو جاتا ہے۔ اور ان حالات میں صرف محدود طریق پر ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت سے اس مشکل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ یورپ آج جنگوں کے بغیر بھی اس مسئلے سے دوچار ہے اور جنگیں عام طور پر مردوں کی تعداد گھٹانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور مقابلتاً" عورتوں کی تعداد بڑھا دیتی ہیں اور اس مشکل کو اور سنگین بنا دیتی ہیں۔ عورتوں کے لئے اپنی روزی کمانے کے لئے مختلف پیشوں کے دروازے کھلے رکھنے چاہئیں۔ اسلام عورتوں کے کسی پیشہ اختیار کرنے پر پابندی نہیں لگاتا۔ لیکن اس سماجی مسئلے کا حل صرف روٹی کا مہیا کرنا نہیں بلکہ گھر کا مہیا کرنا ہے۔ اس بات کو صاف صاف سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام میں تعدد ازدواج نظریاتی یا عملی رنگ میں ایک استثناء ہے۔ اور ایک استثناء کے طور پر یہ جدید تہذیب کی بہت سی برائیوں کا علاج ہے۔ اگر یورپ اس کو ایک برائی سمجھتا ہے تو اس بات پر غور کرے کہ بڑی برائی کونسی ہے۔ محدود تعدد ازدواج یا لامحدود بدکاری اور اخلاقی گراوٹ۔

اسلام دوسرے طریقے سے بھی معاشرہ کی اخلاقی حالت کو بلند کرتا ہے اور عورت اور مرد دونوں کے بڑھتے ہوئے غیر قانونی اور غیر اخلاقی تعلقات کو کم سے کم کرتا ہے تاکہ گھر خاوند' بیوی اور بچوں کے لئے جائے امن ہو۔ یہ تقسیم کار کی وجہ سے ہی موثر ہو سکتا ہے۔ عورت کا تعلق زیادہ تر گھریلو انتظام اور بچوں کی پرورش سے ہے اور آدمی ان کو ان کی زندگی کی ضروریات مہیا کرتا ہے۔ اس تقسیم کار کے ذریعہ مرد اور عورت کے باہمی میل ملاپ کے مواقع کم سے کم ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ عورت گھر سے باہر نہ جائے۔ اس کو اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے باہر جانے کی مکمل آزادی ہے۔ (بخاری ۶۵/ ۳۳/ ۸)

یہ تقسیم کار نہ صرف کام کی استعداد کو بڑھاتی ہے بلکہ معاشرے کی اخلاقی حالت کی ترقی کا باعث بھی ہوتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کا دوسرا طریقہ گھریلو زندگی میں خلوت اور امن و سکون کے ماحول کے احترام پر زور دینا ہے۔ بغیر اجازت گھروں میں داخل ہونے کی سخت ممانعت ہے۔ (۲۴/ ۲۷) اور اس سے زیادہ سے زیادہ اجتناب کرنا

چاہئے اگر ضروری کام ہو تو عورت کے معمول میں خلل نہ ڈالتے ہوئے ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ (۳۳/۵۳)

اس مقصد کے حصول کا تیسرا طریق یہ ہے کہ جب عورتیں تقریبات کے لئے باہر نکلیں یا جہاں دونوں جنسوں کا میل ملاپ ضروری ہو تو مناسب لباس پہنے ہونا چاہئے۔ یہ مناسب لباس یہ ہے کہ چہروں اور ہاتھوں کے علاوہ تمام جسم ڈھکا ہوا ہونا چاہئے۔ (۲۴/۳۰-۳۱) (ابوداؤد ۳۱/۳۰)۔ انہیں منع کیا گیا ہے کہ جب وہ گھروں سے باہر پبلک میں نکلیں تو اپنی خوبصورتی کی نمائش نہ کریں (۳۳/۳۳) یا جسم کے ان حصوں کو کھلا نہ رکھیں جو مخالف جنس کے شہوت پرستانہ جذبات کو ابھاریں (۲۴/۳۱) مزید حفظ ماتقدم کے طور پر دونوں جنسوں کو باحیا ہونا چاہئے۔ اور ایک دوسرے کی موجودگی میں نظریں ہمیشہ نیچی رکھنے کی عادت اپنانی چاہئے۔

"اور مومنین سے کہہ دیں وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔ اور اپنے شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے"۔ (۲۴/۳۰)

"اور مومن عورتوں کو کہہ دیں اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے جو (عادتاً) کھلا رہتا ہے اور چاہئے کہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیں"۔ (۲۴/۳۱)

ان احتیاطی تدابیر کے ساتھ عورتوں کو آزادی ہے کہ وہ جہاں چاہے جائیں اور جو کام وہ پسند کریں سرانجام دیں۔ یہ بات واضح طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ نقاب یا پردہ صرف عورت کے احترام اور مقام کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ قرآن و حدیث میں عورتوں کے لئے نقاب پہننے کا کوئی حکم نہیں۔ اس کے بالمقابل یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عورتیں مسجدوں میں پانچ وقت کی نمازوں میں نقاب کے بغیر شریک ہوتیں تھیں اور حج کے دوران تو نقاب پہننے سے بھی بالکل منع کر دیا گیا ہے۔

ضمیمہ باب سوئم

خلاصہ تعلیمات اسلام

عورت لفظ آزادی کے معنوں کے اعتبار سے مرد کی طرح مکمل آزاد ہے۔ وہ جائیداد حاصل کر سکتی ہے۔ (۴/۳۲) وہ اس کی مالک ہو سکتی ہے اور اسے فروخت بھی کر سکتی ہے جس طرح وہ چاہے (۴/۴) وہ مرد کی طرح یا مرد وارثوں کے ساتھ جائیداد کی وارثت میں سے حصہ لے سکتی ہے۔ (۴/۷) روحانی طور پر بھی وہ مردوں کی طرح ترقی کر سکتی ہے (۳/۱۹۴، ۴۰/۴۰، ۱۶/۹۷) یہ بھی تسلیم شدہ امر ہے کہ وحی الٰہی بھی اس پر نازل ہوتی ہے۔ (۳/۴۱، ۲۸/۷)

شادی کے تعلقات کو (خونی) تعلقات جتنی اہمیت ہوتی ہے۔ (۲۵/۵۴) شادی انسانی سماج میں دوہرا مقصد پورا کرتی ہے۔ یعنی انسان کی اخلاقی ترقی کا ذریعہ بھی اور نسل انسانی کی افزائش بھی۔ (۷/۱۸۹، ۴۲/۱۱، ۳۰/۲۱)۔ مجرد زندگی قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ چاہتا ہے کہ ہر مسلمان شادی شدہ زندگی گزارے (۲۴/۳۲) اگر کسی کو شادی کے ذرائع حاصل نہ ہوں تو اسے دوسرے طریقوں سے اپنی زندگی کو پاکیزہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (بخاری ۳۰/۱۰، ۶۷/۶،۸) شادی ایک مقدس معاہدہ ہے جو ایک مرد اور عورت باہمی رضامندی سے طے کرتے ہیں۔ (۲/۲۳۲، ۴/۲۱) عارضی شادی کی ممانعت ہے۔ (بخاری ۶۴/۴۰) ایک مسلمان مرد غیر مسلم عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ (۵/۵)۔ بعض رشتہ داری کے حدود میں شادی کرنا منع ہے۔ (۴/۲۳، ۲۴)۔ اصولی طور پر ایک مرد کی ایک عورت سے ہی شادی ہو سکتی ہے۔ لیکن استثنائی حالات میں مرد کو دوسری بیوی کرنے کی اجازت ہے (۴/۳)

شادی سے پہلے لڑکی کا رشتہ مانگا جائے (بخاری ۶۷/۳۷) یہ مناسب اور بہتر سمجھا جاتا ہے۔ رشتہ مانگنے سے پہلے آدمی تسلی کر لے کہ رشتہ مناسب ہے (ترمذی ۵/۹) والدین یا سرپرست کو عورت سے اس کی رضامندی حاصل کرنی چاہئے۔ (بخاری ۶۷/۴۳) جہاں باپ کسی عورت کی شادی کر دے اور وہ اس کو پسند نہ کرتی ہو تو شادی منسوخ ہو جائے گی۔ شادی ہم مرتبہ لوگوں میں کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ چونکہ تمام مسلمان برابر ہیں اس لئے ساتھی کے انتخاب پر کوئی پابندی نہیں (۴۶/۹) کردار کی بلندی عورت کا سب سے قیمتی اثاثہ ہوتا ہے جو شادی کے وقت ضرور مدنظر رہنا چاہئے۔ (بخاری ۶۷/۱۶) شادی کے وقت عورت کے لئے حق مہر کا تعین ضروری ہے اگرچہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ (۴/۴، ۲۰) شادی کے بعد حق مہر کی رقم میں باہمی رضامندی سے کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ (۴/۲۴) شادی کے موقع پر باہم رضامندی سے کوئی بھی شرط رکھی جا سکتی ہے لیکن ایسی شرط اسلام کے خلاف نہ ہو۔ (بخاری ۵۴/۶) شادی کا اعلان کھلے عام ہونا چاہئے۔ اور پبلک جگہوں اور اجتماع میں ہونا چاہئے۔ اور ڈھول بجا کر ہونا چاہئے۔ (مشکوٰۃ ۱۳/۳) شادی کے معاہدہ کو تقدس دینے کے لئے ایجاب و قبول سے پہلے خطبہ دینا بھی ضروری ہے (ابو داؤد ۱۲/۳۱) جب دلہن دلہا کے گھر آئے تو ضیافت دینا بھی ضروری ہے (بخاری ۶۷

/۷۲)

طلاق کی اجازت ہے۔ لیکن یہ حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ خیال کی جاتی ہے (ابو داؤد ۱۳/۳) یہ حق صرف بہت ہی استثنائی حالات میں استعمال ہونا چاہئے۔ جب میاں بیوی میں اختلافات رونما ہوں تو پہلے صلح و صفائی کی پوری کوشش ہونی چاہئے۔ اس مقصد کے لئے دونوں خاندانوں کی طرف سے منصفین مقرر ہونے چاہئیں۔ (۳۵/۴) اگر صلح و صفائی کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو طلاق کو عمل میں لایا جائے۔ (۱۲۵/۴۔۱۳۰) عورت کسی معقول وجہ کی بنا پر طلاق مانگ سکتی ہے۔ (۲۲۹/۲ مسند احمد ۲۷۷/۵) خواہ خاوند کی طرف سے کوئی بدسلوکی نہ ہوئی ہو۔ (بخاری ۱۲/۶۸) حیض سے طہارت کے بعد دونوں میں طلاق ہونی چاہئے۔ (بخاری ۶۵/۶۵) اس کے بعد تین ماہ کے قریب عدت یعنی انتظار کی مدت ہوتی ہے۔ اس دوران بیوی کو اپنے خاوند کے گھر میں رہنا چاہئے اور اس مدت میں فریقین کو دوبارہ تعلقات قائم کرنے کی آزادی ہے (۲۲۸/۲، ۱/۶۷)۔ عدت یا انتظار کی مدت ختم ہونے کے بعد فریقین دوبارہ شادی کر سکتے ہیں (۲۳۲/۲)۔ لیکن شادی کے تعلقات کو دوبارہ بحال کرنا اور دوبارہ شادی کرنے کا حق صرف دو مواقع تک محدود ہے (۲۲۹/۲)۔ حق مہر کی رقم جو عورت کے لئے شادی کے موقع پر مقرر ہوتی ہے۔ خاوند طلاق کے موقع پر اسے واپس نہیں لے سکتا۔ سوائے اس کے کہ عورت بدکاری کی مرتکب ہوئی ہو۔ (۲۰/۴) یا وہ طلاق خاوند کے کسی قصور کے بغیر مانگ رہی ہو۔ (بخاری ۱۲/۶۸) طلاق کا اعلان صرف ایک دفعہ ہونا چاہئے۔ ایک موقع پر اس کا تین دفعہ تکرار غیر اسلامی ہے۔ (نسائی ۶/۲۷)

بیویوں کے ساتھ اچھے سلوک پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ "ان کو اچھے ساتھیوں کی طرح رکھو یا مہربانی اور آزادی سے ان کو رخصت کرو"۔ (۲۲۹/۲) یہ بھی ہدایت ہے کہ عورتوں کے ساتھ طلاق دینے کے بعد بھی اچھا سلوک کرو۔ بار دیگر اچھے ساتھیوں کی طرح ان کو روک لو یا ان کو فراخدلی کے ساتھ آزاد کر دو۔ ان کو تکلیف پہنچانے کے لئے مت روکے رکھو۔ (۲۳۱/۲) اگر خاوند اپنی بیوی کو ناپسند بھی کرتا ہو تو بھی اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرنے کا حکم ہے"۔ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔ (۱۹/۴) بیوی سے اچھا سلوک آدمی کی بلندی کردار کا عکاس ہوتا ہے۔ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی سے بہترین سلوک کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ ۱۱/۱۳) حضرت نبی اکرمؐ نے خطبہ حج الوداع میں ایک عظیم مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "تمہاری بیویاں تمہارے پاس خدا کی امانتیں ہیں۔ پس تم کو ان سے مہربانی سے پیش آنا چاہئے۔" (مشکوٰۃ ۱۹/۱۵)

گھریلو زندگی کی خوشیوں کا زیادہ تر انحصار باہم اعتماد اور راز داری پر ہوتا ہے۔ بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے کی سختی سے ممانعت ہے۔ "اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت نہ داخل ہو جاؤ۔ (داخل ہونے کے بعد) گھر والوں کو سلام علیکم کہو (۲۷/۲۴)۔ گھر کا اندرون ایک مقدس جگہ ہوتی ہے۔ جہاں صرف اجازت لیکر داخل ہونا چاہئے۔ گھر کے دروازے پر پردے کا لٹکا ہونا چاہئے جس کو دوسرے الفاظ میں حجاب کا نام دیا گیا ہے (۵۳/۳۲) یہ گھر والوں کی انفرادیت کو قائم رکھتا ہے۔ خوشگوار شادی شدہ زندگی کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ عورت مرد کی موجودگی کے بغیر کسی غیر آدمی کے پاس خلوت میں نہ ملے (بخاری ۱۱۲/۶۷)۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں دونوں جنسوں کا آزادی کے ساتھ میل ملاپ کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ عورت کو اپنی ضرورت کے لئے گھر سے باہر جانے کا پورا حق ہے (بخاری ۱۳/۴، ۱۱۶/۶۷)۔ اس معاملہ میں عورت کے لئے پردہ نہیں ہے۔ لیکن جب وہ باہر جائے تو مناسب لباس پہنے۔ اس طرح کہ وہ اپنی خوبصورتی اور جسم کے بعض حصوں مثلاً" سینوں وغیرہ کی نمائش نہ کرے (۳۰/۲۴۔۳۱)۔ اس مقصد کے لئے چادر یا لبادہ اوڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ (۵۹/۳۳) اسلام کا سماجی نظام اصل میں نسوانی حسن کی بے جا نمائش کو منع کرتا ہے۔ جو مخالف جنس کے جذبات کو ابھارے ورنہ عورتوں کو اپنی ضروریات کے لئے باہر جانے سے منع نہیں کرتا۔ نقاب یا چہرے کا ڈھانپنا اسلام نے کبھی ضروری نہیں ٹھہرایا۔ عورتیں مسجدوں میں باجماعت نمازیں بغیر کسی نقاب کے ادا کرتی تھیں۔ جب عورتیں حج ادا کرتی ہوں تو نقاب کا لینا منع کیا گیا ہے (بخاری ۲۳/۲۵)۔ حضرت نبی اکرمؐ نے ایک نوجوان عورت کو جو مناسب لباس میں نہیں تھی فرمایا۔ جب عورت بلوغت کو پہنچ جائے اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کے اس اور اس حصے کے سوائے دکھاتی پھرے۔ آپ نے چہرہ اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا"۔ (ابوداؤد ۳۰/۳۱)

☆حاشیہ: یتامیٰ یتیم کی جمع ہے۔ بچوں کے معاملہ میں وہ جن کے باپ فوت ہو جائیں اور عورتوں کے معاملے میں وہ جن کے خاوند نہ رہیں۔ اگر یتامیٰ کا مطلب صرف وہ بچے ہوں جن کے باپ مر گئے ہوں سیاق و سباق یہ چاہتا ہے کہ بیواؤں اور یتیم بچوں کی ماؤں کو بھی ان میں شامل کیا جائے۔

انگریزی سے ترجمہ

ممتاز احمد ... ایم اے، ایم ایڈ

اسلام کا تعارف ـ ۲

نوجوانوں کے لئے اسلام پر ابتدائی نوعیت کے یک صد سوالات کے جوابات

مرتبہ ڈاکٹر زاہد عزیز ـ انگلستان

۱۷ـ کیا اسلام خدا تعالیٰ کی موجودگی کو ثابت کرنے کے لئے کوئی دلائل دیتا ہے۔

ہاں! قرآن شریف اس کے متعلق تین قسم کے دلائل دیتا ہے۔

پہلی قسم کی دلیل یہ ہے کہ یہ جسمانی دنیا میں ترتیب اور بے انتہا نظم و ضبط کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ ان قوانین کے مطابق ساری کائنات کا نظام کس حسن اور خوبی سے چل رہا ہے۔ اس شاندار نظام میں ہر چیز کا مقصد اور کام طے شدہ ہے۔ فطرت کی کائنات انتہائی خوبصورت ہے جو انسانی قلب کی کشش کا باعث ہے۔ سائنس کائنات کے سربستہ رازوں کی دریافت میں کوشاں ہے اور نت نئے انکشافات کرتی رہتی ہے۔ فطرت کی کائنات کے اس حیرت انگیز اور حسین و جمیل نظام کے پیچھے ایک عظیم ذہن اور مضبوط ارادے والی ہستی کام کرتی محسوس ہوتی ہے جس کے نظام کو انسانی ذہن معلوم تو کر لیتا ہے لیکن اس میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔

دوسری دلیل قرآن یہ دیتا ہے کہ خدا اور انسان میں قریبی اور گہرا تعلق ہے۔ ہر شخص کے باطن میں خالق کی تلاش اور اس کے ساتھ تعلق جوڑنے کا جذبہ موجود ہوتا ہے اور جب انسان مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو بے اختیار ہو کر اس عظیم ہستی کو مدد کے لئے پکارتا ہے۔

تیسری اور سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ پیغمبر اور خدا کے خاص بندے دنیا کی ہر قوم میں مبعوث ہوئے جنہوں نے اپنی قوم کو خدا کی حقیقت کا پتہ بتایا اور پاکیزہ تعلیمات اور نیک نمونہ سے خدا تک پہنچنے کا راستہ بتایا۔ جس طرح ہم میں سے اکثر سائنس کی انکشافات کا علم حاصل کرتے۔ حالانکہ ہم نے ان کو خود دریافت نہیں کیا ہوتا بلکہ ہم دوسروں کی تحقیق اور مشاہدات کو قبول کر لیتے ہیں جنہوں نے سائنس کے علوم کو حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ وقف کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کے وجود کا ثبوت ان عظیم الشان صاحب بصیرت افراد کی زندگیوں سے ملتا ہے جن کو خدا تعالیٰ دنیا میں اسی مقصد کے لئے بھیجتا ہے۔

۱۸ـ دوسرے مذاہب بھی خدا کی موجودگی کی تعلیم دیتے ہیں کیا دوسرے مذاہب کی تعلیمات میں اور اسلام کے خدا کے تصور میں کوئی فرق ہے؟

ہاں! کچھ اہم اور بنیادی فرق موجود ہیں۔

سب سے بڑا فرق تو یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق خدا واحد اور یکتا ہے۔ اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں۔ دوسرے لفظوں میں کوئی بت یا کوئی آسمانی مخلوق اور نہ کوئی روحانی شخصیت یا مذہبی پیشوا ان صفات یا طاقت کا مالک نہیں ہو سکتا۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ اسلام میں خدا کا تصور انتہائی بلند ہے اور اس کی طاقتوں اور اس کے علم پر کوئی حد نہیں لگائی گئی یعنی لامحدود ہیں۔ جبکہ دوسرے مذاہب ان پر پابندیاں لگاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام ہندوؤں کے اس عقیدے کو رد کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ مادہ اور روح کا خالق نہیں ہے۔ بلکہ یہ خود بخود ازل سے موجود ہیں۔ یہ عیسائیت کے اس مفروضے کو بھی مسترد کرتا ہے کہ خدا گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ کسی دوسرے کو سزا نہ دے۔ اس لئے اس نے اپنا بیٹا بھیجا تاکہ وہ ان کے گناہوں کی سزا بھگتے۔ حالانکہ جب باپ مرجائے تو بیٹے کو باپ کا جانشین بننا ضروری ہوتا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اگر خدا مکمل ترین ہستی ہے اور تو اسے کوئی محتاجی لاحق نہیں تو اس پر ایسی کوئی حالت آ ہی نہیں سکتی۔

تیسری بات یہ کہ اسلام اس خیال یا تصور کو باطل ثابت کرتا ہے

کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ہی عظمت والا ہو زمین پر خدا کا مظہر بن سکتا اور نہ ہی خدا کی شکل اختیار کر سکتا یا اس میں حلول کر سکتا ہے۔

۱۹۔ خدا کے متعلق دوسروں سے تصور کے ان تین اختلافات کے عملی نتائج کیا ہیں؟

اسلام میں خدا کا تصور دوسرے مذاہب کے مقابلے میں زیادہ معزز اور بلند نظر آتا ہے۔ توحید خداوندی کے عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو خدا کے علاوہ کسی چیز کی بھی پرستش نہ کرنی چاہیے اور نہ ہی اس کا غلام بننا چاہیے جیسے بت' قدرتی طاقتیں' اجسام سماوی مذہبی لیڈر' بادشاہ اور استبدادی قوتیں۔ انسان کی تخلیق اسی لئے کی گئی ہے کہ وہ کائنات کی تمام اشیاء اور طاقتوں کو مسخر کرے۔ ان سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ ہر مرد یا عورت کو اپنی ذہانت اور فہم کو استعمال کرنا چاہیے۔ اور کسی کی بھی اندھا دھند تقلید نہیں کرنی چاہیے۔

خدا کا اعلیٰ ترین تصور اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس نے انسان کے اندر ترقی کرنے کی لامحدود صلاحیت رکھی ہیں۔ اس کا علم اور اس کی طاقت اگرچہ خدا کے مقابلے میں بہت معمولی ہے لیکن اس کی کوشش سے وہ بڑھ سکتی ہے۔ اس عقیدہ کی تردید کہ ایک بندہ خدا کا مظہر ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مذہبی پیشواؤں کو خدا کا رتبہ نہ دے کہ ان کو طلسماتی' مافوق الفطرت اور غیر معمولی طاقتوں کا حامل نہ سمجھا جائے۔ لیکن ایک فانی انسان ہونے کی حیثیت سے ان کی زندگیاں اور مثال دوسروں کو نیک اور بہتر اور ابدی زندگی کے حصول کی راہ دکھاتی ہے۔

۲۰۔ کیا اسلام میں خدا کے تصور کی کوئی نمایاں خصوصیت ہے؟

ہاں! اسلام سکھلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب جہانوں کا مالک اور آقا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ صرف مسلمانوں کا خدا نہیں نہ ہی کسی ایک خاص نسل' مذہب اور قوم کا خدا ہے۔ تمام قوموں کا رب ہونے کی وجہ سے وہ نہ صرف تمام قوموں کی جسمانی ضروریات کو پورا کرتا ہے بلکہ ہر قوم کی اخلاقی نشوونما کے لئے اس نے ہدایت بھی بھیجی ہے۔ وہ پوری انسانیت کے ہر طبقہ سے بلا امتیاز انصاف اور محبت کرتا ہے۔ کوئی قوم نہ تو اس کی چہیتی یا پسندیدہ ہے اور نہ ہی مسترد شدہ۔ بلکہ وہ نیک عمل کرنے والوں سے پیار اور رحم کا سلوک کرتا ہے۔

۲۱۔ اسلام کے نزدیک انسان کی خدا تعالیٰ کے سامنے کیا حیثیت ہے؟

خدا تعالیٰ نے انسان کو نہ صرف ایک جسم عطا کیا ہے بلکہ ایک روح بھی دی ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنے خالق سے تعلق پیدا کرتا ہے لیکن جسم کائنات کی دوسری مخلوق کی طرح خدا تعالیٰ کے قوانین کی تابعداری کرنے پر مجبور ہے لیکن اس کی روح اس امر میں آزاد ہے کہ وہ ہدایت کو قبول کرے یا رد کرے۔ روح کی نشوونما خدا تعالیٰ کی ہدایت پر اپنی مرضی سے عمل کرنے پر ہوتی ہے جو انبیاء کے ذریعے خدا تعالیٰ نازل فرماتے ہیں۔

قرآن کریم کے مطابق ہر انسان کی روح خدا کی روح ہے۔ جو اس میں اس نے خواہ مرد ہو یا عورت پھونکی ہے (۳۲:۹) اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا انسانی روح سے خاص تعلق ہے۔ اس لئے انسان اس قابل ہے کہ وہ خدائی صفات کو چھوٹے پیمانے پر اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے (نمبر ۲۳ دیکھئے)

خدا تعالیٰ انسانی تصور سے بڑھ کر انسانی روح کے قریب ہے بلکہ وہ خود انسان کے اپنے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ خدا تعالیٰ انسان کے اندرونی خیالات کو بھی جانتا ہے اور ان کو بھی جانتا ہے جن کو انسان خود شعوری طور پر محسوس نہیں کرتا۔ انسانی روح میں خدا کی محبت اور اس کی تلاش کی خواہش موجزن ہے۔ اس کو خدا کے بغیر مکمل اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:۔ ۱۶:۵۰' ۸۵:۵۶' ۲۰:۷' ۱۶۵:۲' ۱۱۹:۵' ۸۹:۲۷-۳۰)

۲۲۔ قرآن حکیم ہمیں خدا کے بارے میں اور کیا کچھ بتاتا ہے؟

یہ ہمیں بہت کچھ بتاتا ہے یہ اللہ کو بار بار رحمان یعنی نہایت مہربان اور رحیم یعنی بے انتہا رحم کرنے والا کہتا ہے۔ اللہ رحمٰن ہے اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ خدا اپنی مخلوق (خاص کر انسان) کے ساتھ اتنی محبت کرنے والا اور فراخ دل ہے کہ اس نے انسان کو لاتعداد نعمتیں بطور تحفے دیں ہیں جو انسان کی کسی کوشش کے بغیر دے رکھی ہیں۔ خدا تعالیٰ رحیم ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا رحم کرنے والا ہے کہ جب انسان خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو اچھے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کامیابی حاصل کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ مثال کے طور پر خدا تعالیٰ نے انسان کو اس کی اپنی کسی کوشش کے بغیر دنیا میں تمام قسم کے جسمانی یا طبعی ذرائع عطا کئے ہیں اور اگر انسان ان ذرائع کو انسان کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب کرتا ہے۔ قرآن حکیم ہم کو بتاتا ہے

کہ خدا تعالیٰ نہایت زیادہ بخشنے والا یعنی غفور ہے' ہمدرد ہے انصاف کرنے والا ہے۔ دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ خالق ہے۔ ہر قسم کی قوتوں کا مالک اور ہر چیز کے متعلق مکمل علم رکھنے والا ہے۔

قرآن کریم کی آیات جن میں خدا تعالیٰ کی بہت سی صفات کا ذکر ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

"وہ اللہ ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ وہ بے انتہا رحم والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے' پاک ہے' سلامتی والا' امن دینے والا' نگہبان' غالب' بگڑے کو بنانے والا' سب بڑائیوں کا مالک۔ اللہ اس سے پاک ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ وہی اللہ ہے۔ مادہ کا پیدا کرنے والا' روح کا پیدا کرنے والا' مختلف شکلیں بنانے والا۔ اس کے لئے سب اچھے نام ہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کرتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے" (۵۹:۲۲-۲۴)۔

۲۳۔ اللہ میں ان صفات کے ہونے کو ماننے سے کیا حاصل ہوتا ہے؟

تاکہ انسان کوشش کر کے اپنے میں ان صفات کو پیدا کرے اور ان کا اپنی عملی زندگی میں اظہار بھی کرے۔ قرآن کریم حکم فرماتا ہے۔ اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے (۲:۱۳۸)

خدا تعالیٰ رب ہے یعنی ساری دنیا کو رزق دینے والا اور ان کی ہر قسم کی نشوونما دینے والا۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو بھی رزق اور ان کی پرورش کرے۔ خدا رحمن ہے پس انسان کو بھی دوسروں سے نیکی کرنے میں پہل کرنی چاہیے۔ خواہ انہوں نے کوئی کام ایسا کیا ہے کہ وہ اس نیکی کا مستحق ہیں یا نہیں۔ خدا تعالیٰ رحیم ہے۔ پس انسان کو بھی نیکی کرنے والوں کی مدد اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ سب سے بڑھ کر علم والا ہے اور عقلمند ہے۔ انسان کو بھی زیادہ سے زیادہ علم اور ذہانت حاصل کرنی چاہیے۔

اللہ کی صفات پر ایمان لانے والا ذاتی غرض کے لئے لوگوں کو نقصان پہنچانے سے باز رہے گا ایسا شخص جو ایمان رکھتا ہے کہ اللہ سب کا پرورش کرنے والا اور نگہبان ہے تو وہ کسی کا جائز حق مارنے سے رکے گا۔ ایسا شخص جس کا ایمان ہے کہ اللہ دیکھنے والا اور علم رکھنے والا ہے تو اس کو یہ بھی جاننا چاہیے وہ کبھی کوئی برا عمل اللہ سے چھپا نہیں سکتا۔

۴۔ فرشتے

"اور یقیناً" ہم نے تم کو پیدا کیا۔ پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو۔ سو انہوں نے فرمانبرداری کی۔ مگر ابلیس نے (نہ کی)۔ وہ فرما برداروں میں سے نہ ہوا۔ (۷:۱۱)

۲۴۔ فرشتے کیا ہیں؟

فرشتے غیرمادی اور روحانی مخلوق ہیں جو دنیا میں خدائی احکام اور قوانین پر عملدار درآمد کراتے ہیں انسان کے برعکس ان کی اپنی مرضی کوئی نہیں ہوتی۔ خدا اور دنیا کے درمیان واسطہ ہیں۔

۲۵۔ فرشتے کس طرح کے ہوتے ہیں؟

کیونکہ فرشتے جسمانی مخلوق نہیں ہیں۔ اس لئے وہ انسانی آنکھ سے نہیں دیکھے جا سکتے۔ اس لئے یہ سوال ہی غلط ہے۔ تاہم پیغمبران خدا اور نیک لوگ فرشتوں کو بعض مواقع پر دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ اپنی روحانی آنکھ یا خواب اور رویا کے ذریعہ۔

۲۶= فرشتے کیا فرائض سرانجام دیتے ہیں؟

ان کے فرائض دو اقسام کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ فرائض جن کا تعلق جسمانی یا طبعیاتی دنیا سے ہوتا ہے اور دوسرے وہ فرائض جن کا تعلق انسان کی اخلاقی نشوونما سے ہوتا ہے۔ طبعیاتی دنیا میں فطرت قوانین کے تحت کام کرتی ہے۔ جیسا کہ سائنس نے بہت سے قوانین دریافت کر کے ثابت کیا ہے۔ اسلام سکھلاتا ہے کہ یہ قوانین خدا تعالیٰ نے رائج کئے ہیں۔ اور فرشتے خدا کے حکموں کی تعمیل کرانے والی ہستیاں ہیں۔ روحانی کام کے لحاظ سے فرشتے خدا تعالیٰ کا پیغام یا وحی اس کے پیغمبروں اور نیک لوگوں (اولیاء) تک پہنچاتے ہیں۔ سچے ایمان والوں کے لئے سکون' اطمینان اور طاقت کا موجب ہوتے ہیں اور تمام انسانوں کے اذہان میں نیک جذبات اور اعمال کی تحریک کرتے ہیں یقیناً" یہ سارے کام وہ انسانوں کی روحانی احساسات کے ذریعہ کرتے ہیں نہ کہ جسمانی احساسات اور اعضاء مثلاً" آنکھ اور کان۔

۲۷۔ فرشتے خدا کا کلام انسان تک پہنچانے کے لئے کیوں ضروری ہیں؟

جس طرح روشنی ایک ذریعہ ہے ہماری آنکھوں کے دیکھنے کے لئے اور ہوا کی ضرورت ہے کہ آواز ہمارے کانوں تک پہنچائے اسی طرح ایک ذریعہ کی ضرورت ہے جو ہمارے روحانی احساسات کو متحرک کر سکے۔ فرشتے خدا کا پیغام نیک لوگوں کو روحانی یا باطنی آنکھ اور کان

کے ذریعے پہنچاتے ہیں اور سب لوگوں کے دلوں میں اچھے اور نیک خیالات کی تحریک کرتے ہیں بلکہ یہ صرف نیک لوگ ہی اپنی زیادہ ترقی یافتہ روحانی بصیرت کی وجہ سے اس قابل ہوتے ہیں کہ فرشتوں کے کام کا ادراک کر سکیں۔

۲۸۔ کیا اسلام فرشتوں کے متعلق کوئی اور اہم نکتہ بھی بیان کرتا ہے؟

ہاں ایک بہت ہی اہم بات جس کا قرآن کریم انکشاف کرتا ہے یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ قابلیت عطا کی ہے کہ وہ دنیا کی تمام چیزوں کے متعلق علم حاصل کرے۔ قران شریف ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ فرشتے جو خدا تعالیٰ کے قوانین پر دنیا میں عمل در آمد کراتے ہیں انسان کی تابعداری کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زیادہ علم دے رکھا ہے پس باالفاظ دیگر انسان فطری قوانین کے متعلق اپنے علم کو استعمال کر کے دنیا کی تسخیر کر سکتا ہے۔ قرآن کریم نے کئی صدیاں قبل اس بات کا انکشاف کیا کہ انسان سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔ کیونکہ فرشتے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے قوانین کو خود بخود چلانے کے کارندے ہیں انسان کی تابعداری کرتے ہیں۔

۲۹۔ فرشتوں پر ایمان کی کیا خاص اہمیت ہے؟

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ اسلام کا ہر عقیدہ مسلمان کو مثبت انداز میں کوئی عمل کرنے کو ضروری ٹھہراتا ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے نیک خیالات کی پیروی کریں۔ اور برے خیالات کو رد کر دیں۔ قرآن کریم یہ بھی بیان کرتا ہے کہ شیاطین کا بھی ایک وجود ہے جو انسان میں گھٹیا اور خود غرضانہ خیالات کو ابھارتا ہے۔ تاہم اگرچہ ان کا وجود ہے لیکن قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں کہا کہ مسلمان اس پر ایمان لائے بلکہ کہا ہے ان کا انکار کریں۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں کہ صرف دل میں ایمان لایا جائے بلکہ ایمان کے مطابق عمل بھی ہونا چاہیے۔

۵۔ پیغمبر اور رسول

"سب لوگ ایک ہی جماعت ہیں پس اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے (۲:۲۱۳)

"اور وہ لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ ان کے اجر دے گا (۴:۱۵۲) اور یقیناً" ہم نے ہر ایک قوم میں سے ایک رسول بھیجا۔ کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو (۱۶:۳۶)

۳۰۔ خدا کا پیغمبر یا رسول کون ہوتا ہے؟

خدا کا نبی یا رسول ایک انسان ہوتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ اپنی ہدایت عطا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کے ذمہ فرض لگا دیتا ہے کہ وہ اس ہدایت کو لوگوں تک پہنچائے تاکہ وہ اچھے کام کریں اور برے کاموں سے بچیں۔

۳۱۔ کن ملکوں میں خدا کے پیغمبر مبعوث ہوئے؟

اسلام کے مطابق خدا تعالیٰ نے زمین پر بسنے والی تمام اقوام کی طرف تاریخ کے مختلف ادوار میں پیغمبر بھیجے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

"اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے" (۱۰:۴۷)

"اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا" (۳۵:۲۴)

۳۲۔ خدا کے ان پیغمبروں میں سے کن کو مسلمانوں کو ماننا یا ایمان لانا ہے؟

مسلمانوں کو خدا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں پر بلا کسی تفریق کے خواہ وہ کہیں بھی مبعوث ہوئے ایمان لانا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں (۲:۱۳۶ ۲۸۵ اور ۳:۸۴) میں یہ واضح طور پر بیان ہوا ہے۔ ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔"

۳۳۔ مہربانی فرما کر چند پیغمبروں کے نام بتایئے

قرآن کریم نے کئی پیغمبروں کے نام لے کر ان کا ذکر کیا ہے مثلاً حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت عیسیٰؑ ان کا ذکر بائبل میں بھی ہے۔ ایسے پیغمبروں کے نام بھی درج ہیں جن کا بائبل میں ذکر نہیں ملتا۔ حضرت لقمانؑ، حضرت ہودؑ، حضرت ذوالکفلؑ اور سب سے آخر میں سب سے بڑے عظیم اور تمام عالم کا پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

خطبہ عید الفطر

یہ خطبہ محترم ناصر احمد صاحب نے دار السلام' احمدیہ ہاؤس' لندن میں ۱۸ جنوری ۱۹۹۹ء کو دیا

آج ہم رمضان المبارک کی برکتوں سے معمور مہینہ کے اختتام پر عیدالفطر منا رہے ہیں۔ میں نے ابھی سورۃ بقرہ کی آیات ۱۸۳' ۱۸۴ اور ۱۸۶ کی تلاوت کی ہے۔ اور ان کا ترجمہ آپ کو سنایا ہے۔ یہ آیات روزوں کے تاریخی' جسمانی' معاشرتی اور روحانی پہلوؤں کو بیان کرتی ہیں۔ کسی آسمانی کتاب نے مذہب کی اصولی اور عملی باتوں کو ان کی بنیادی حقیقت یا استدلال اور ضروری تفصیلات کے ساتھ اس انداز میں بیان نہیں کیا جس طرح اسلام کی مقدس کتاب قرآن حکیم نے بیان کی ہیں۔

روزہ تقریباً" تمام مذاہب میں عبادت کے طور پر موجود ہے۔ کروڈن کی بائیبل کنکورڈینس اس بارے میں لکھتا ہے "روزہ تمام زمانوں' تمام قوموں میں ماتم' افسوس اور تکالیف کے وقت رکھا جاتا ہے"۔ ہندوؤں میں روزہ ایک رواج کے طور پر رکھا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے خود بھی چالیس دن تک روزے رکھے اور اپنے ماننے والوں کو روزہ رکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

"جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ ان کو روزہ دار جانیں جب تو روزہ رکھے ... تاکہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا"۔ (متی ۶:۱۶-۱۸)

بائیبل کے یہ الفاظ مجھے حضرت نبی کریمؐ کی ایک بہت ہی اہم حدیث یاد دلاتے ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ روزہ کے اعلیٰ ترین مقصد کو بڑے زور دار طریق پر وضاحت فرماتے ہیں **الصیام لی و انا اجزی بہ**۔ یعنی روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا بھی میں ہی دوں گا"۔

صرف اسلام ہی دنیا میں ایسا مذہب یا دین ہے جس میں مومنین کو مختلف اوقات پر پانچ دفعہ اپنے معبود کے حضور عبادت کے لئے حاضر ہونا ہوتا ہے۔ پھر اس کو رمضان کا پورا مہینہ لگاتار روزے رکھنے کی عبادت یا روحانی مشق کرنی ہوتی ہے۔ ظاہری طور پر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا کے دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ فرائض کا بوجھ لاد دیا گیا ہے۔ موجودہ مادی دور کی مصروفیت اور آرام و اسائش کے حصول کے لئے دن رات کی تگ و دو کے پیش نظر ایک صاحب ایمان کو ان فرائض کی ادائیگی کے لئے خاص کوشش اور پختہ عزم کی ضرورت ہے اگر مسلمان قوم کو اپنے آپ کو ایک معزز اور نمایاں مقام کے اہل ثابت کرنا ہے۔ جیساکہ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں ارشاد خداوندی ہے۔ "اور ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے پیشرو بنو" (۲:۱۴۳) اور یہ بھی کہ تم کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننا ہے۔ تب ایمان والو کو سخت نظم و ضبط کے مراحل سے گزرنا ہو گا تاکہ اعلیٰ روحانی' اخلاقی اور معاشرتی اقدار کے حامل ہو کر اس بلند مقام کے لئے اپنے آپ کو اہل ثابت کر سکیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام ان تمام غلط عقیدوں اور رسومات کو مٹانے کے لئے آیا ہے جو مذہب کے نام پر رائج ہو چکی ہیں اسلام افراد کی زندگیوں کو نیک کاموں کے ذریعہ سے خوبصورت بناتا ہے تاکہ وہ نہ صرف خدا کی بہترین مخلوق کہلانے کا مستحق بن سکیں بلکہ ان کے ذریعہ معاشرے میں محبت' پیار اور فلاح و بہبود کے نمونے قائم ہوں بلکہ ان کو پروان چڑھانے کا ذریعہ بنیں۔ کامیا زندگی کے اس اصول کو قرآن کریم اس طرح بیان فرماتا ہے"۔ اور وہ جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے زمین میں ٹھہرا رہتا ہے"۔ (۱۳:۱۷) حقیقت یہ ہے کہ نیکیاں ہمارے باطن کو روشن کر کے ہماری دنیاوی اور آخروی زندگی کو کامیاب بناتی ہیں۔ قرآن کریم اس امر کی تصدیق ان الفاظ میں کرتا ہے: "جو شخص خدا کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا ہے اس کے لئے دو جنت ہیں"۔ (۵۵:۴۶) یہاں پر نیک لوگوں کی جزا واضح الفاظ میں دو جنتیں بیان کی گئی ہے ایک باغ اس دنیا میں اور ایک باغ موت کے بعد والی زندگی میں۔ اس زندگی کا باغ روحانی سکون اور وہ افضال ہوتے ہیں جو نیک آدمی کو نیک اعمال کے عوض ملتے ہیں۔

حضرت مولانا نور الدینؓ دنیا کے منفرد مفسر قرآن اور بانی سلسلہ

احمدیہ حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام کے دست راس تھے انہوں نے مذہب کے مقصد کو بہت خوبصورتی سے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

"ایک راستہ پیغمبروں کا ہوتا ہے۔ دوسرا راستہ بادشاہوں کا ہوتا ہے۔ پیغمبر شریعت کے احکام چلانے کے لئے ظلم' بربریت اور تشدد کا راستہ اختیار نہیں کرتے لیکن بادشاہ ظلم اور زیادتی کے راہ پر چلتے ہیں۔ پولیس کو ان جرائم کا علم ہوتا ہے جو وقوع پذیر ہو چکتے ہیں لیکن مذہب گناہ کے ارتکاب کے رجحان کو ہی روک دیتا ہے۔ اس لئے جب کوئی آدمی مذہب کی برتری کو تسلیم کر لیتا ہے تب اس کی نگرانی کے لئے پولیس کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ وہ نیک زندگی گزارے"۔

بھائیو اور بہنو! رمضان کے مہینے میں روزے رکھنے کا مقصد مومن میں روحانی احساس اور آگاہی کو انسان کے فکر و عمل میں مستحکم کرنا ہے۔ قرآن کریم نے اس کے لئے لفظ تقویٰ استعمال کیا ہے۔ **لعلکم تتقون** تاکہ تم متقی بنو۔ دوسرے لفظوں میں اپنے فرائض خدا کی رضا کی خاطر ادا کرنے کا عزم پیدا ہو۔ یہ الفاظ اپنے اندر یہ مفہوم بھی لئے ہوئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر گناہ سے محفوظ رکھے۔ اور خدا کی طرف سے عائد کردہ حقوق کو ادا کرے اور فرائض کو سرانجام دے اس لحاظ سے اسلام ایک عملی مذہب ہے محض ایک عقیدہ نہیں ہے۔ اس کے بالمقابل عیسائیت کا تو یہ عقیدہ ہے کہ محض حضرت عیسیٰؑ کی صلیبی موت پر ایمان لانے سے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور کسی کو نیک زندگی گزار کر خدا کے رحم اور معافی کو تلاش کرنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔

انسان کی پیدائش کی غرض بھی یہ ہے کہ وہ ایک نظام یا طریق کار کا پابند ہو جیسا کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں"۔ (۵۱:۵۶'۵۵)

دوسرے لفظوں میں خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کی تابعداری کے ذریعے ہی انسان اپنی فطری صلاحیتوں کو استعمال کر کے ہی ترقی کے انتہائی مقام کو حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ترقی کرنے کی بہت سی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ درج ہے۔ "یقیناً" ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے" (۹۵:۴)

انسان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی مشکل جو حائل ہوتی ہے وہ گناہ یا برائی ہے جس کے خلاف قرآن مجید بار بار تنبیہہ کرتا ہے۔ اس کو اکثر جگہ "کھلا دشمن" کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ کسی جگہ اس کو ابلیس یا شیطان کا نام دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو ایسے احتیاطی اقدامات اختیار کرنے کا بار بار حکم دیا ہے جو گناہ یا بدی کے خلاف حفاظت اور روکاوٹ کا ذریعہ ہیں۔ قرآن شریف میں ارشاد خداوندی ہے"۔ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کروں جس نے تمہیں پیدا کیا اور جو تم سے پہلے تھے۔ تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔ (۲:۲۱)

نماز کے بعد روزہ سب سے اہم طریق عبادت ہے۔ جو نہ صرف انسان کی بدی کے خلاف حفاظت کرتا ہے بلکہ نیک لوگوں کی راہ پر چلنے کی ترغیب دیتا اور استقامت بخشتا ہے۔ اور اس کو اپنے خالق کا قرب عطا فرماتا ہے۔ یہ قرب خداوندی انسانی روح میں خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔ انسانی روح کا عام حالت سے خدا کی بہترین مخلوق تک کا سفر جس مقام کو قرآن مجید نے نفس مطمنہ کہا ہے اس کو قرآن کریم کی سورہ علق کی پہلی پانچ آیات میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ آیات پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی وحی بھی ہے۔ "اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے" (۹۶:۱-۳) لفظ "علق" کا مطلب خون کا لوتھڑا اور محبت اور تعلق جوڑنا بھی ہے۔ لفظ علق کے عام معنی خون کا لوتھڑا لیا جاتا ہے کیونکہ انسانی تخلیق کی ابتداء اسی طرح ہوتی ہے اور اسے قرآن مجید نے علق سے موسوم کیا۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم نے اپنی خوبصورت تفسیر "انوار القرآن" میں انسانی نطفے کے رحم مادر سے تعلق پکڑنے اور انسان کی خدا سے محبت اور تعلق جوڑنے کو تمثیل کے رنگ میں خوبصورت بیان کیا ہے۔ انسانی نطفہ جو کہ نہایت ہی حقیر شے ہوتا ہے جب اس کا رحم مادر سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ مختلف مراحل سے گزر کر ایک خوبصورت بچے کو جنم دیتا ہے۔ اسی طرح ایک عام آدمی جس کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ جب بندگی اور فرمانبرداری کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو اس روحانی بلندی کے ذریعہ وہ اشرف المخلوقات کا مقام حاصل

کر لیتا ہے۔ خدا سے اس قریبی تعلق کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ **اذ اسالک عبادی عنی فانی قریب** "اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں" (۱۸۶:۲) یہ آیت روزوں کی فضیلت کے سلسلہ میں نازل ہونے والی آیات کے آخر پر آتی ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ نہ صرف ہمیں ہر قسم کی گندگی سے پاک اور کمزوریوں سے بچانے اور نیکی کرنے اور انسانی بہبود کے کاموں کے لئے تحریک اور جذبے کو ترقی دیتا ہے۔ بلکہ ہم میں اسلام کے اعلیٰ اقدار کے حصول کے لئے نئی لگن اور جوش پیدا کرتا ہے۔ اس لئے مسلمان کو سخت کوشش اور روحانی نظم و ضبط کے طریق کو اپنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس موقع پر میں چاہوں گا کہ آپ قرآن مجید کی ایک نہایت اہم آیت پر غور کریں جس میں حضرت ابوبکرؓ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین ساتھی تھے اور آپؐ کی وفات کے بعد پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ ان سے متعلق ایک واقعہ کا ذکر ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ انہوں نے اپنے ایک رشتہ دار مسطح کو امدادی رقم دینا بند کر دی کیونکہ اس نے ان کی بیٹی حضرت عائشہؓ پر غلط الزام لگانے اور پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس آیت کا ترجمہ یوں ہے "اور تم میں سے بزرگی اور وسعت والے لوگ قسم نہ کھائیں کہ غریبوں اور مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہیں دیں گے اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کریں (۲۲:۲۴)۔

جس واقعہ کا اس آیت میں ذکر ہے اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی حضرت عائشہؓ کے ہمراہ بنی مصطلق کے غزوہ کے بعد 5ھ میں واپس آ رہے تھے تو حضرت عائشہؓ حاجت ضروریہ کے لئے خیمہ سے باہر گئیں لیکن جب وہ واپس آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا ہار راستے میں کہیں گر گیا ہے۔ چنانچہ اس کی تلاش میں وہ پھر خیمہ سے نکل گئیں۔ چونکہ ابھی اندھیرا تھا اس لئے ان کی غیر حاضری میں ہودہ پر مقرر کارکن نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ آپؓ ہودہ میں سوار ہو چکی ہیں۔ قافلہ کے ساتھ چل پڑا۔ جب حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ ان کے اونٹ سمیت جا چکا ہے چنانچہ آپؓ وہیں بیٹھ گئیں۔ عرب میں رواج تھا کہ ہر قافلہ کے پیچھے ہمیشہ ایک شخص رہتا تھا تاکہ اگر کوئی شخص یا چیز رہ جائے تو وہ اس کو لیتا آئے۔ چنانچہ اس غرض سے حضرت صفوان قافلہ کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے انہوں نے جب حضرت عائشہؓ کو دیکھا تو اپنے ساتھ انہیں مدینہ لے آئے۔

بعض شرارت پسند مسلمانوں اور افترا پردازوں نے اس واقعہ کے متعلق طرح طرح کی غلط باتیں پھیلائیں۔ مسطح اس معاملہ میں پیش پیش تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی بریت سورہ نور کی آیت ۱۵ تا ۱۹ میں کر دی اور افتراپردازوں کو تنبیہہ بھی کی۔

حضرت عائشہ کے خلاف الزام بالکل بے بنیاد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان کی معصومیت کی تصدیق کی۔ حضرت ابوبکرؓ کا مسطح اپنے رشتہ دار کے خلاف غم و غصہ بالکل بجا تھا لیکن اسلام چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے صرف اس کی رضا کے لئے دوسروں سے نیکی کریں۔ ذاتی خوشی یا ناخوشی درمیان میں ہرگز حائل نہیں ہونی چاہئے۔ اچھے کام خدا کی خوشنودی اور اس کے حکم کی تعمیل میں جاری رہنے چاہئیں۔ اس معاملے میں نہ صرف حضرت ابوبکرؓ کو امداد بند کرنے سے منع کیا گیا بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو بھی غلط کاروں کو معاف کر دینے کا حکم دیا گیا۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو حقیقی معنوں میں انسانی رشتوں اور رویوں میں نیکی اور خدا خوفی کو پروان چڑھانا چاہتا ہے۔ اس طرح ہر ایک حقیقی مومن مکمل طور پر اللہ کے حکموں کی بجاآوری میں مکمل فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتا ہے۔

بندگی اور تابعداری کا یہی وہ جذبہ ہے جو اسلام چاہتا ہے کہ ہم زندگی کے ہر کام اور ہر قدم میں دکھایں یہی وہ اخلاقی معیار ہے جس کو اسلام اپنے پیروکاروں میں دیکھنا چاہتا ہے۔

بھائیو اور بہنو! روزہ وہ روحانی مشق ہے جس کے ذریعے ایک مومن کی روح لحہ بہ لحہ روشن تر ہوتی جاتی ہے۔

ماہ رمضان المبارک قرآن کریم کے نزول کی سالگرہ بھی ہے اس مہینے کی ۲۵ یا ۲۷ تاریخ کو قرآن کریم کی پہلی پانچ آیات جو اب سورہ العلق کا حصہ ہیں غار حرا میں نبی کریمؐ پر نازل ہوئیں۔ جہاں آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں منہمک تھے۔ اسی کو لیلتہ القدر یا بلند عظمت والی رات کا نام بھی دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسی رات کو نہایت عظمت والی اور ہمیشہ رہنے والی ہدایت انسان کی رہنمائی کے لئے قرآن کریم کی شکل میں نازل ہوئی۔ جیساکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ "یہ لیلتہ القدر یعنی

عظمت والی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے اذن سے ہر امرِ خیر کو لئے ہوئے اترتے ہیں۔ سلامتی یہ فجر کے طلوع تک" (۹۷: ۳ تا ۵)

یہ خدائی تحفہ، قرآن مجید جو اپنی فصاحت و بلاغت اور بے مثل ادبی شاہکار، ہونے اپنے روحانی اثر و نفوذ کے لحاظ سے اور اپنے طرز بیان کی وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے منفرد ہے اور الہامی کتابوں میں سب سے زیادہ فصیح اور موثر ہے۔ خود اپنے ماننے والوں کے ہاتھوں اس کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ میں اس بات کو مختصراً بیان کروں گا۔ اور آپ کو یہ بھی بتاؤں گا کہ قرآن کریم کی عظمت کو قائم کرنے اور دفاع کے سلسلہ میں اس دور میں تحریک احمدیہ لاہور نے کیا نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ بہت سی غیر مستند باتیں اور واقعات جو زیادہ تر بائبل سے لی گئی ہیں۔ کئی معروف تفاسیر میں راہ پا گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے۔ حضرت یوسفؑ کے زلیخا سے ناجائز تعلقات تھے۔ حضرت لوطؑ کی بیٹیوں نے ان کو شراب پلا کر ان سے جنسی تعلقات قائم کئے۔ حضرت سلیمانؑ جادو کیا کرتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی عورت نے جادو کر دیا تھا اور اس جادو کے اثر سے وہ باتوں کو بھول جایا کرتے تھے۔ اس وقت میں ان باتوں کو چھوڑتا ہوں اور ان بنیادی باتوں کو لیتا ہوں جن سے قرآن مجید کے مستند ہونے اور اس کی عظمت پر حرف آتا ہے۔ اس سلسلہ میں صرف قرآن مجید کے جمع کرنے، ناسخ و منسوخ کا نظریہ اور حروف مقطعات کے معانی جو قرآن مجید کی کئی سورتوں کے شروع میں آتے ہیں ان کے بارے میں گفتگو کروں گا۔

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ موجودہ دور کے بعض مسلمان مفسرین قرآن کے متعلق اب بھی یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کو کتابی شکل میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اکٹھا کیا گیا۔ اس نظریئے نے مغربی مصنفین کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ قرآن کریم کے مستند ہونے کے متعلق قسم قسم کے اعتراضات کر سکیں۔ ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ کس طرح یہ غلط خیال موجودہ دور کے مسلم علماء کی تحریرات میں شامل ہو گیا۔ ایک ایرانی النسل مسلمان جید عالم حسین نصر جو اس وقت جارج واشنگٹن یونیورسٹی میں اسلامی تعلیمات کے پروفیسر ہیں اور بیس سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ اپنی کتاب "جدید دور میں نوجوان مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے" میں قرآن کریم کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ "آہستہ آہستہ آیات کو اکٹھا کیا گیا۔ جو بعض اونٹوں کی ہڈیوں پر، بعض درختوں کی چھالوں پر، لیکن زیادہ تر اصحاب کے قلوب اور سینوں کی تختیوں پر لکھا ہوا تھا جو الفاظ انہوں نے حضرت نبی کریمؐ کے منہ سے سنے تھے ... اور اس طرح جو کچھ حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ نے رسول اکرم صلعم کی زندگی میں اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے دور میں اور ابتدائی کاتبوں یا اصحاب نے لکھا تھا بالآخر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اکٹھا کیا گیا۔ قرآن کریم کا متن مکمل طور پر نبی کریمؐ کی اپنی ہدایات کے مطابق سورتوں کی شکل میں یکجا اور ترتیب دیا گیا۔ جو آج ہمارے پاس ہے۔ تب ایک خاص لہجے میں کاپیاں تیار کی گئیں اور نئی قائم شدہ اسلامی دنیا کے تمام اطراف تک پھیلا دیا گیا۔ (صفحہ ۱۰-۹) قبل اس کے کہ میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کی جمع قرآن کے متعلق رائے بیان کروں میں آپ کو اس کتاب کے پبلشر کے اس کتاب کے بارے میں تبصرہ کے بعض حصے سناتا ہوں۔ تاکہ آپ کو مصنف کی کتاب اور علمیت کے بارے میں پبلشر کی رائے کا علم ہو سکے کہ وہ اس کتاب کو کتنی اہمیت دے رہا ہے۔

"یہ کتاب زمانہ حال کے اسلام کے ایک بہت بڑے عالم فاضل آدمی نے مسلمانوں اور خاص طور پر نوجوان مسلمانوں کے لئے لکھی ہے اور ان پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے دین سے بہتر طور پر واقف ہو سکیں۔ اور نئی دنیا کو اسلامی نکتہ نظر سمجھا سکیں۔ اور اس کے چیلنجوں کا جواب دے سکیں"۔

اور اب میں حضرت مولانا محمد علیؒ کی رائے اور نتائج کو بیان کرتا ہوں جن کی بنیاد قرآن اور صحیح احادیث پر ہے۔ انہوں نے اس بارے میں مستند واقعات اور دلائل دیئے ہیں کہ قرآن کریم رسول اکرم صلعم کی زندگی ہی میں ان کی عین ہدایات کے مطابق لکھا بھی گیا اور حفاظ اور دیگر صحابہ کے دلوں میں محفوظ بھی کر لیا گیا تھا۔

"حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے نزول کے فوراً بعد جن اصحاب کو لکھنے کے لئے بلایا کرتے تھے ان کے نام زید ابن ثابتؓ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ وغیرہ ہیں۔ مدینہ میں زید بن ثابتؓ کو زیادہ تر اس کام کے لئے بلایا جاتا تھا۔ حضرت نبی کریم صلعم تمام حالات میں لکھنے کا سامان ساتھ رکھتے تھے اور اس بارے میں بڑی احتیاط کرتے تھے یہاں تک کہ جب آپؐ اپنی جان

بچانے کی خاطر مدینہ کی طرف ہجرت فرما رہے تھے لکھنے کا سامان تب بھی ان کے پاس موجود تھا (بخاری ۶۳:۶۳)۔

پس سید نصر کا یہ خیال کہ زیادہ تر قرآن مجید صحابہ کے قلوب میں محفوظ تھا۔ غلط ہے اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ مکہ کے ابتدائی ایام میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، رسول اکرم صلعم کی بیوی حضرت خدیجہؓ اور دیگر لوگ موجود تھے جو نازل ہونے والی وحی کو اسی وقت حضورؐ کی ہدایت کے مطابق لکھ لیا کرتے تھے۔ حضرت نبی کریمؐ اس بارے میں بے حد محتاط تھے اور ہروقت اور ہر حالت میں کاتب اور لکھنے کا سامان اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اب میں ناسخ منسوخ کے نظریہ کی طرف آتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک آیت دوسری آیت سے مطابقت نہ رکھے تو اسے منسوخ سمجھا جاتا ہے۔ اور حیران کن بات تو یہ ہے کہ جب ناسخ و منسوخ کے نظریے کو کھینچ تان کر اس حد تک لے جایا گیا ہے کہ قرآن کی کچھ آیات ایسی بھی تھیں جو قرآن مجید میں موجود تو نہیں لیکن ان پر عمل ہوتا ہے۔ جیسے شادی شدہ لوگوں کو زنا کی سزا دینا۔ چنانچہ اس غلط نظریہ نے بعض مفسرین کا رخ اس طرف کر دیا ہے کہ قرآن میں موجود کوڑوں کی سزا غیر شادی شدہ کے لئے ہے۔ اور شادی شدہ لوگوں کے لئے رجم کی سزا ہے۔ منسوخ شدہ آیات کی تعداد بعض مفسرین کے نزدیک پانچ سو تک پہنچ گئی۔ اس سلسلے میں امام جلال الدین سیوطیؒ جو مشہور قدیم مفسرین میں سے ہیں ان کے خیال میں منسوخ شدہ آیات کی تعداد کم ہو کر اکیس ہے۔ بعد کے مصنفین مثلاً بارہویں صدی ہجری کے مجدد حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب دہلوی نے اپنی کتاب "فیوض الکبیر" میں فرمایا کہ امام سیوطی کی منسوخ شدہ اکیس آیات میں سے سولہ کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ لیکن باقی ماندہ پانچ کے متعلق ان کی رائے یہی ہے کہ ان کے متعلق منسوخی کا فیصلہ صحیح اور آخری ہے۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب نے بانی سلسلہ احمدیہ کی قرآنی بصیرت اور حضرت مولانا نورالدین صاحب کی تبحر علمی کی راہنمائی میں اس بات کا اعلان کیا کہ جس اصول پر ناسخ و منسوخ کا نظریہ قائم کیا گیا وہ بلا جواز اور بے بنیاد ہے۔ اس لئے رد کرنے کے قابل ہے اور یہ قرآنی تعلیمات اور محکمات کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن کریم اس نظریہ کی بنیاد کو ہی ختم کر دیتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے مخالف نہیں۔ "کیا وہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے اور اگر یہ غیراللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے" (۸۲:۴)۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب نے ثابت کیا ہے کہ وہ پانچ آیات جن کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی منسوخ سمجھتے تھے اپنے سیاق و سباق اور متن کے لحاظ سے منطبق اور صحیح ہیں اور اس طرح ناسخ و منسوخ کا نظریہ ہر لحاظ سے دھڑام سے زمین پر آگرتا ہے۔

تیسری خدمت جو احمدی مفسرین نے قرآن کریم کی عظمت کو قائم کرنے کے سلسلہ میں سرانجام دی مقطعات' ان کے معانی اور اہمیت کے بیان کرنے سے متعلق ہے۔ مقطعات یا حروف کا مجموعہ قرآن کریم کی تقریباً ۲۹ سورتوں کے آغاز میں آتے ہیں۔ تقریباً تمام مسلم اور غیر مسلم مترجمین اور مفسرین نے ان کو بلا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ان کا مفہوم یا معانی خدا اور اس کے پیغمبرؐ کے سوا کسی کو معلوم ہی نہیں اور ان کو نہ کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی ان کا سورۃ کے نفس مضمون سے کوئی تعلق ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی قرآن کریم میں درج ہے وہ آسان بنایا گیا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کوئی کجی نہیں۔ یہ صاف اور سادہ عربی زبان میں ہے۔ عرب اس قسم کے الفاظ اپنی شاعری میں اکثر استعمال کرتے تھے۔ مقطعات یا مخفف الفاظ تقریباً تمام زبانوں میں مستعمل ہیں اور جانے پہچانے جاتے ہیں۔ انگریزی زبان میں تو آج کل یہ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان حروف مقطعات کو جو قرآن مجید میں موجود ہیں بے معنی سمجھنا قرآنی عظمت اور خدا کی وحی کی معنویت اور اہمیت کے خلاف ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب وہ پہلے مسلمان مترجم اور مفسر ہیں جنہوں نے ۱۹۱۷ء کے آغاز میں ان مقطعات کے معانی دیئے اور ان کی اہمیت اور سورتوں سے ان کے تعلق کو واضح کیا اور یہی وجہ ہے کہ کراچی کے "اسلامک ڈائجسٹ" رسالے نے اپنی مارچ ۱۹۹۶ء کی اشاعت میں حضرت مولانا محمد علیؒ کی اس خدمت کو خراج تحسین ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"مولوی صاحب کا طریق یہ ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں نفس مضمون کا خلاصہ دیتے ہیں۔ پھر وہ دوسری سورۃ اور آیات سے اس کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک سورۃ کا تعلق دوسری سورت سے بیان کرتے ہوئے وہ ان تین باتوں پر زور دیتے ہیں۔ آیات کا

آپس میں تعلق، رکوعات کا آپس میں تعلق اور سورتوں کا آپس میں تعلق۔"

میں نے اسی جگہ اپنی ایک گذشتہ تقریر میں آپ کو بتایا تھا کہ " قرآن اور انسان" کے مصنف محترم صفدر حسن صدیقی صاحب نے جن کی کتاب کو پاکستان کے مشہور پبلشر فیروز سنز لاہور نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کے اردو ترجمۃ القرآن کے متعلق یہ لکھا ہے "حضرت مولانا محمد علی مرحوم کا ترجمۃ القرآن زیادہ تر لفظی ہے نہ کہ تفسیر۔ یہی وجہ ہے کہ وہ منشا ایزدی کو اردو میں زیادہ بہتر طریق پر بیان کرتا ہے۔ (صفحہ ۴۱)

اس سلسلہ میں ایک اور اہم بات بھی یاد رکھیں کہ جب محمد اسد صاحب کا ترجمۃ القرآن پہلی دفعہ رابطہ عالم اسلامیہ 'مکہ کی طرف سے شائع ہوا تو اس کی تمام کاپیاں اس لئے جلا دی گئیں کیونکہ اس میں بعض اہم امور پر ترجمہ و تفسیر زیادہ تر احمدی نظریات کی حامل ہیں جو حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اپنی انگریزی ترجمہ و تفسیر میں بیان کیں۔

اب محمد اسد صاحب کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کے بارے میں ایک اہل حدیث عالم کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔

"محمد اسد صاحب نے نہایت قابلیت کے ساتھ قرآن کریم کے پیغام کو انگریزی زبان میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے ان تمام شکوک و شبہات اور غلط آراء کو رد کر دیا ہے جو مغربی اذہان کو اسلام کے سمجھنے میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ ان کی کوشش اس لئے بھی قابل تعریف ہے کہ انہوں نے قرآن کا ترجمہ کر کے مولانا محمد علی لاہوری کے ترجمہ پر انحصار کرنے سے ہمیں آزاد کر دیا ہے۔"

اس تبصرہ کے متعلق ملتان' پاکستان کے اہل قرآن عالم نے اپنی تفسیر "برہان القرآن" میں مصنف کی رائے کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا:

"یہاں پر تبصرہ نگار باوجود مولانا محمد علی سے نفرت کے اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ محمد اسد صاحب کے ترجمہ شائع ہونے سے پہلے مولانا محمد علی کا ترجمۃ القرآن بہت ہی اہمیت کا حامل تھا۔ وہ اس ترجمے کو نظرانداز نہیں کر سکتے تھے۔"

بھائیو اور بہنو! وہ شخص جس نے جناب اسد صاحب کے ترجمے پر تبصرہ کیا ہے اہل حدیث کے بہت مشہور مقرر اور عالم حنیف ندوی ہیں۔ یہ تبصرہ مولانا ابوالکلام آزاد کے انگریزی ترجمۃ القرآن کی تیسری جلد کی تمہید میں لکھا گیا۔ پھر اس تبصرہ پر رائے ایک اہل قرآن عالم کی ہے۔ المختصر یہ کہ تمام لوگ حضرت مولانا محمد علی کے انگریزی ترجمۃ القرآن کی اہمیت کو ناقابل نظرانداز ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت مولانا نے قرآن مجید کی وضاحت اور دفاع اس انداز سے کی ہے کہ اس کی کاملیت اور عظمت کو ہر لحاظ سے ثابت کیا ہے۔

قرآن کریم کی کاملیت اور عظمت کو بلند کرنے کا جذبہ اور اس سے گہری وابستگی سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں میں پیدا کیا اور انہوں نے نہ صرف مخالفین کے قرآن کریم کے خلاف ہر قسم کے اعتراضات اور تنقید کا جواب دیا بلکہ اس کے ماننے والوں کی غلط آرا کی بھی تصحیح کی ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ان کو قرآن مجید کو دنیا کے کونے تک پہنچانے کی لگن پیدا کی اس میدان میں لاہور احمدیہ انجمن کا روسی ترجمۃ القرآن کی اشاعت تازہ شاندار کارنامہ ہے۔ امریکہ کی جماعت کے ایک وفد نے سابقہ سوویت روس کے اہم اسلامی سنٹرز کا دورہ کیا ہے اور روسی ترجمۃ القرآن کی تین ہزار کاپیاں مفت تقسیم کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کے مندرجہ ذیل اشعار ان کی قرآن کریم کے ساتھ گہری محبت اور عشق کا اظہار ہے:

جمال و حسن قرآن نور جان ہر مسلمان ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے
دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

مجھے یقین ہے کہ جس قسم کے خیالات کا اظہار آج ہوا ہے وہ عام طور پر ہونے والے مسلمانوں کے خطبات سے مختلف ہے۔ لیکن یقین کیجئے کہ اسی قسم کے بلکہ اس سے زیادہ قیمتی خیالات کا اظہار ہی تھا جس نے دی ٹائمز آف لندن اور بی بی سی ٹیلی ویژن اور مختلف ممالک کے مسلمانوں کے لئے مسجد شاہ جہاں' ووکنگ میں عید کے تہوار دلکشی کا باعث تھے اور وہاں سے ہونے والے اشاعت اسلام کے کام کو بے حد سراہا جاتا تھا۔ مسجد اب بھی وہیں ہے۔ اب تو اس کو زیادہ خوبصورت بنا دیا گیا ہے لیکن اب اس کی بین الاقوامی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اب خطبات میں معقولیت اور عالمگیریت کا وہ رنگ نہیں جو اسلام کی امتیازی خصوصیات ہیں اور کسی کو اس حقیقت

سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ووکنگ میں عید کی تقریبات میں تمام ملک و ملت کے لوگ خوشی سے شریک ہوتے۔ اگر اسلام نے مغرب کو روشن کرنا ہے جیساکہ حضرت نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی ہے۔ وہ اسی طریق پر ہو سکتا ہے جس طریق پر تحریک احمدیہ اسلام کو پیش کرتی ہے۔ آج ہم تعداد میں تھوڑے ہیں اور وہیلے ہاؤس کی چاردیواری میں سمٹے ہوئے ہیں لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب احمدی خیالات دنیا میں قبولیت حاصل کریں گے۔

بھائیو اور بہنو! اس مقصد کے حصول کے لئے مضبوط ایمان' گہری لگن بلکہ عشق اور مسلسل کوشش کی ضرورت ہے ۲۷ دسمبر ۹۸ء کو بی بی سی بین الاقوامی ٹی وی پر ایک پروگرام دکھایا گیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بیت اللحم میں پیدائش کے ان انتہائی بے کسی کے حالات کی حقیقت کو عقیدت اور غلو کے پردوں سے نکال کر تاریخی واقعات کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جہاں عیسائی دنیا کا یہ بے تاج بادشاہ پیدا ہوا اس کا عنوان تھا "بیت اللحم کی طرف واپسی"۔

تحریک احمدیہ کے بانی حضرت میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ نے قوی دلائل سے چیلنج کیا کہ جو کچھ چرچ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بیان کرتا ہے تاریخی حقائق اور بائبل سے ان کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اسی طرح بی بی سی ٹی وی چینل نمبر ۵ پر ایک اور پروگرام چل رہا ہے From Jesus to Christ (عیسیٰ سے یسوع تک)۔ اس پروگرام میں واضح نشانات اور اشارے مل رہے ہیں کہ عیسائی دنیا اصلی یسوع کو تلاش کرنے کی سنجیدگی سے کوشش کر رہی ہے اور حقیقی مسیح وہی ہیں جس کا پتہ قرآن مجید دے رہا ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ایک نعرہ "قرآن کی طرف واپس آؤ" لگایا تھا اس پہلو کے متعلق ابھی میں نے کچھ تھوڑا سا بیان کیا ہے۔ اسلام کے دفاع اور اشاعت کی غرض سے تحریک احمدیہ پچھلی صدی کے اواخر میں شروع ہوئی تھی۔ اب اس کے نظریات اور خدمات کو مسلم اور غیر مسلم اہل علم حضرات آہستہ آہستہ قبول کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک احمدی ہونے کی حیثیت سے مجھے پختہ یقین ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا جب مغربی محققین پنجاب کے دور افتادہ گاؤں قادیان کو دیکھنے جائیں گے جہاں سے مغرب میں اسلام کی روشنی کو پھیلانے کی دعوت کا نہایت کمزور حالت میں آغاز ہوا تھا۔

تحریک احمدیت دوسروں کی نظر میں

"موج کوثر" مصنفہ شیخ محمد اکرام۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ ۲۔ کلب روڈ' لاہور ۱۹۸۷ء

> آج کل کلام مجید کے متعدد انگریزی ترجمے شائع ہو رہے ہیں' لیکن شرف اولیت مولوی محمد علی کے ترجمے ہی کو ہے اور گزشتہ ربع صدی میں انگریزی خوان طبقے کو قرآن سے جو زیادہ دلچسپی پیدا ہوئی ہے' اس کا ایک بڑا سبب مولوی محمد علی کا ترجمۃ القرآن ہے۔ قرآن مجید کی اشاعت اور عام مذہبی خدمت کے علاوہ اہم ترین کام جو لاہور جماعت احمدیہ نے انجام دیا ہے۔ وہ بیرونی ملکوں میں اشاعت اسلام ہے۔ جس میں ابتدا اور غیر معمولی کامیابی کا سہرا' جماعت کے سب سے کامیاب مبلغ خواجہ کمال الدین کے سر پر ہے۔

مرزا غلام احمد اور قادیانی جماعت

سرسید' مولوی چراغ علی اور سید امیر علی نے کئی مذہبی امور کی ترجمانی میں عام مسلمانوں سے اختلاف کیا' لیکن انہوں نے کوئی نیا فرقہ نہیں قائم کیا۔ ان کے طریق کار کو جدید علم یا نو معتزلہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے مسائل اسلامی کو جدید فلسفے اور علوم کے مطابق ثابت کرنے کے لیے وہی طریقے اختیار کیے جو اسلامی علوم کو فلسفہ یونانی کے مطابق ثابت کرنے کے لیے دور عباسیہ میں معتزلین یا متکلمین نے اختیار کیے تھے' لیکن اس کے باوجود سرسید یا ان کے ہم خیال کسی علیحدہ فرقے کے بانی نہ ہوئے۔ ان کا مقصد اپنی سمجھ کے مطابق عام مسلمانوں کی اصلاح تھا اور اسی لیے انھوں نے اپنے خیالات عوام کے سامنے پیش کیے' لیکن ان میں کوئی مجددیت یا نبوت یا ولایت کا دعویدار نہ تھا اور انھوں نے کوئی علیحدہ جماعت بنانے کی کوشش نہیں کی۔ اسی زمانے میں ایک صاحب پیدا ہوئے جنھوں نے جدید متکلمین کی بعض باتیں اخذ کیں' لیکن جن کی تعلیمات کی امتیازی خصوصیت ان کے ذاتی اور شخصی دعاوی ہیں۔ یہ صاحب قادیانی فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد تھے۔

مرزا غلام احمد ۱۸۳۷ء میں پنجاب کے ایک گاؤں قادیاں ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد والد نے انھیں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں ملازم کرا دیا لیکن وہاں ان کا دل نہ لگا اور چند سال کی ملازمت کے بعد انھوں نے استعفیٰ دے دیا۔ سیالکوٹ کے قیام کے دوران میں مذہبی امور سے ان کی دلچسپی بہت بڑھ گئی اور وہ "اسکاٹ لینڈ چرچ" کے مشنریوں کے ساتھ اکثر بحثیں کیا کرتے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں ان کے والد کی وفات ہو گئی اور وہ ایک طرح سے بالکل آزاد ہو گئے۔ ان دنوں ان کی حالت نیم مجذوبانہ سی رہتی تھی' لیکن ایسی حالت میں بھی انھوں نے عربی' فارسی اور اردو لکھنے کی مشق جاری رکھی اور ۱۸۸۰ء میں براہین احمدیہ شائع کی' جس میں اختلافی مسائل بہت کم تھے۔ اور جس کے طرز استدلال اور جوش مذہبی کو عام مسلمانوں نے بہت پسند کیا' لیکن ۱۸۹۱ء میں انھوں نے مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا' جس کی وجہ سے ان میں اور عام مسلمانوں میں اختلاف اور مخالفت کا دروازہ کھلا۔ مشہور اہل حدیث عالم' مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو اب تک ان کے دوست اور شریک کار تھے۔ ان کے خلاف کفر کا فتوے دیا۔ اور علمائے اسلام' آریہ سماجی اپدیشک اور عیسائی پادری سب ان کے خلاف ہو گئے۔ ۱۸۹۲ء میں انھوں نے قادیان سے ریویو آف ریلجنز شروع کیا اور اسے اپنے خیالات کی اشاعت کا موثر ذریعہ بنایا۔ اب ان کا بیشتر وقت مباحثوں' مباہلوں' پیشین گوئیوں اور تصنیف کتب میں گزرتا۔ ۱۹۰۵ء میں انھوں نے اپنی وصیت لکھی اور اپنی جماعت کے مستقبل کے متعلق ہدایتیں دیں۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو جب وہ ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے لاہور آئے ہوئے تھے' ان کا انتقال ہو گیا' نعش قادیان میں دفن ہوئی۔

مولوی چراغ علی صاحب سے مرزا صاحب کی خط و کتابت تھی اور جہاد کے متعلق وہ مولوی صاحب کے ہم خیال تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے متعلق انھوں نے بیشتر سرسید کے خیالات کی پیروی کی' لیکن باوجودیکہ ان کی تعلیمات میں کئی باتیں نو معتزلہ خیالات سے قریب تھیں' وہ اکثر اصولی باتوں میں قدامت پسند تھے اور عام مسلمانوں سے

ان کے معتقدین، بالخصوص قادیانی گروہ کا اختلاف بیشتر مرزا صاحب کے اپنے دعاوی کے متعلق ہے۔ انھوں نے مسیح موعود مہدی منتظر اور کرشن اوتار ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ ایسے دعویٰ ہیں، جن کو عام مسلمان غلط سمجھتے ہیں۔ نبوت کا دعویٰ کر کے اور ایک نیا فرقہ کھڑا کر کے انھوں نے مسلمانوں میں جو اختلاف پیدا کیا، اسے بھی اکثر مسلمان ناپسند کرتے ہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی جماعت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اگرچہ مرزا صاحب کی وفات کے چند ہی سال بعد جماعت میں ایک مسئلے پر اختلاف ہو گیا، جس کی وجہ سے کئی قابل اور مخلص لوگ علیحدہ ہو گئے، لیکن جماعت کے اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ اس میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی۔ اس کی ایک بڑی وجہ جماعت کا نظام اور منتظموں کا جوش و ولولہ ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں میں کوئی مذہبی جماعت ایسی نہیں جو اس قدر منظم اور سرگرم عمل ہو۔ نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو مادیت اور دنیاداری نے عملی کام کے قابل نہیں چھوڑا اور پرانے علماء زمانے کی ضروریات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ایک عالم جمود میں ہیں۔ ان کے مقابلے میں احمدیہ جماعت میں غیر معمولی مستعدی، جوش، خود اعتمادی اور باقاعدگی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا کے روحانی امراض کا اعلاج ان کے پاس ہے۔ یہ اعتقاد غلط ہو یا صحیح، لیکن اس نے ان کے کاموں میں ایک نئی روح پھونک دی ہے جو قادیانیوں کے بعض عجیب و غریب عقائد اور بانی کی بعض شخصی خصوصیات کے باوجود کئی لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

احمدی جماعت کے فروغ کی ایک اور وجہ ان کی تبلیغی کوششیں ہیں۔ مرزا صاحب اور ان کے معتقدوں کا عقیدہ ہے کہ اب جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں بلکہ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان یعنی تحریری اور زبانی تبلیغ کا زمانہ ہے۔ ان کے اس عقیدے سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج جہاد بالسیف کی اہلیت نہ تو احمدیوں میں ہے نہ عام مسلمانوں میں ۔

طاقت جلوۂ سینا تو تو داری و نہ من!

عام مسلمان تو جہاد بالسیف کے عقیدے کا خیالی دم بھر کے، نہ عملی جہاد کرتے ہیں اور نہ تبلیغی جہاد۔ لیکن احمدی جنھوں نے جہاد بالسیف کے معاملے میں کھلم کھلا اور صاف صاف حالات حاضرہ کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔ دوسرے جہاد یعنی تبلیغ کو ایک فریضہ مذہبی سمجھتے ہیں اور اس میں انھیں خاصی کامیابی ہوئی ہے۔

احمدیہ جماعت لاہور

مرزا غلام احمد کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ ان کے بعد حکیم نور الدین پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ لیکن جماعت کا انتظام صدر انجمن احمدیہ کے ہاتھ میں رہا۔ اگرچہ حکیم صاحب کے زمانے میں ان کے اثر کی وجہ سے جماعت میں نفاق پیدا نہ ہوا، لیکن اختلاف کا آغاز ہو گیا تھا۔ یہ اختلاف ۱۹۱۲ء کے قریب بہت نمایاں ہوا۔ جب خواجہ کمال الدین نے لندن سے ایک رسالہ مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو نکالنا شروع کیا۔ اس رسالے میں خواجہ صاحب نے مولانا ظفر علی خان کے سیاسی خیالات کی پوری طرح اشاعت کی اور اس کے بعد حادثہ کانپور کے متعلق جو شورش ہوئی اس میں بھی حصہ لیا۔ بعض قادیانیوں کو یہ بات ناگوار گزری۔ مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو سیاسیات سے الگ تھلگ رہنے کی تلقین کی تھی اور خواجہ صاحب کا کام بظاہر اس تلقین کے خلاف تھا۔ چنانچہ مرزا بشیر الدین محمود نے اخبار الفضل میں ان کے خلاف مضامین لکھنے شروع کیے۔ وائسرائے کے مصالحانہ فیصلے سے یہ مباحثہ تو بہت دیر جاری نہ رہا، لیکن اختلافات کا آغاز ہو گیا۔ کچھ لوگ مرزا بشیر الدین محمود کے ساتھ تھے اور کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ مرزا محمود، مرزا غلام احمد کے صاحبزادہ ہونے کی وجہ سے جماعت کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب حکیم نور الدین بیمار پڑے تو ایک جماعت نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ حکیم صاحب کے بعد کسی خلیفہ کی ضرورت نہیں۔ صدر انجمن احمدیہ ہی احمدیہ جماعت کا انتظام چلا سکتی ہے، لیکن فریق ثانی نے حکیم صاحب کی وفات کے بعد مرزا بشیر الدین محمود کو خلیفہ المسیح ثانی چن لیا اور خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی، مولوی صدر الدین، ڈاکٹر بشارت احمد، مرزا یعقوب بیگ اور ان کے ہم خیال حضرات قادیانی جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور لاہوری جماعت کا آغاز ہوا۔

لاہوری اور قادیانی جماعتوں کی تفریق بظاہر ذاتیات کے ایک مسئلے پر ہوئی، لیکن اس ذاتی اختلاف کی تہ میں بھی ایک اصولی اختلاف تھا۔ لاہوری جماعت مرزا صاحب کی معتقد ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ حتے الوسع اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے وابستہ رکھنا اور ان کے دکھ سکھ میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہے۔ لاہوری احمدی غیر احمدیوں کو کافر

نہیں کہتے۔ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ مرزا صاحب کی نبوت کے قائل نہیں بلکہ انھیں حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے بزرگوں کی طرح ایک مجدد مانتے ہیں اور احمدیہ عقائد اور عام مسلمانوں کے عقائد میں جتنا کم اختلاف ہو اسے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لیے خواجہ کمال الدین نے حادثہ کانپور کے متعلق عام مسلمانوں کے ساتھ اتفاق کیا تھا۔ اور بلقان اور طرابلس کے ہنگاموں میں ان کے نقطہ نظر کا اظہار کرنے میں پوری قوت صرف کر دی تھی۔ قادیانی بھی اگرچہ اب تبدیل حالات کے ساتھ مسلمانوں کے قومی مسائل میں زیادہ دلچسپی لینے لگے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی علیحدہ اجتماعی ہیئت کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور اگرچہ غیر مسلموں کی طرح ان کا تہذیب و تمدن مسلمانوں سے مختلف نہیں، لیکن مذہبی امور میں وہ ان سے علیحدہ ہیں۔ جو شخص مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتا اسے کافر سمجھتے ہیں اور عام مسلمانوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

لاہوری جماعت احمدیہ کا نظم و نسق انجمن اشاعت اسلام کے ہاتھ میں ہے۔ مولوی محمد علی ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی جنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مذہب کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی، اس کے صدر تھے۔ اب مولوی صدر الدین امیر جماعت ہیں۔ اس جماعت کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ غالباً .... لیکن اس کے باوجود اس جماعت نے عملی کام اتنا کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

ایک اہم کام جو یہ جماعت کر رہی ہے، قرآن مجید کی اشاعت ہے۔ بالخصوص انگریزی دان مسلمانوں اور غیر مسلموں میں۔ مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ کا ترجمہ و تفسیر قرآن انگریزی زبان میں پہلا ترجمہ تھا جو کسی مسلمان کے ہاتھوں انجام پایا۔ ترجمے کے علاوہ آپ نے کلام مجید کی مختلف سورتوں کی تقسیم و ترتیب کر کے اور ان کے مضامین کا خلاصہ دے کر مطالب قرآنی کو واضح کیا ہے اور کوشش کی کہ صرف الفاظ ہی پر توجہ نہ رہے بلکہ کلام مجید کے ارشادات اور خیالات بھی وضاحت سے ذہن نشین ہو جائیں۔

آج کل کلام مجید کے متعدد انگریزی ترجمے شائع ہو رہے ہیں، لیکن شرف اولیت مولوی محمد علی کے ترجمے ہی کو ہے اور گزشتہ ربع صدی میں انگریزی خوان طبقے کو قرآن سے جو زیادہ دلچسپی پیدا ہوئی ہے، اس کا ایک بڑا سبب مولوی محمد علی کا ترجمۃ القرآن ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی اس ترجمے کی نسبت لکھتے ہیں:-

"غالباً" اگست ۱۹۲۰ء تھا کہ ایک عزیز کے پاس مولوی محمد علی لاہوری کا انگریزی ترجمہ قرآن پڑھنے میں آیا۔ اور طبیعت نے اس سے بھی بہت گہرا اور اچھا اثر قبول کیا۔ مغربی راہ سے آئے ہوئے بیسیوں شبہات و اعتراضات اس ترجمہ و تفسیر سے دور ہو گئے اور یہ رائے اب تک قائم ہے۔ اس بیس سال کے عرصے میں خامیاں اور غلطیاں بہت سی (بلکہ بعض جگہ تو ایسی جسارتیں جن کے ڈانڈے تحریف سے مل جاتے ہیں) اس ترجمہ و تفسیر کی علم میں آ چکیں، لیکن انگریزی خوانوں اور مغرب زدوں کے حق میں اس کے مفید اور بہت مفید ہونے میں ذرا بھی کلام نہیں ——— ہدایت کا واسطہ جب اللہ کی حکمت صریح غیر مسلموں کے کلام کو بنا دیتی ہے۔ تو یہ تو بہرحال اللہ کے کلام کا ترجمہ و حاشیہ ہے۔ مترجم کی بعض اعتقادی غلطیوں کی بناء پر ان کی ساری کوششوں سے بدظن ہو جانا قرین انصاف و مقتضائے تحقیق نہیں۔"

انگریزی ترجمے کے علاوہ احمدیہ جماعت اشاعت قرآن کے دوسرے مسائل سے بھی غافل نہیں۔ جرمن موجودہ یورپ کی علمی زبان ہے۔ اس میں قرآن مجید کے ترجمے موجود ہیں، لیکن غیر مسلموں کے۔ اب اگر موجودہ یورپ کو اسلام سے صحیح واقفیت دلانا ہے تو ضروری تھا کہ جرمن میں قرآن مجید کا صحیح ترجمہ ہو۔ اور اس میں ترجمے کے ساتھ ان اعتراضات کے جواب بھی ہوں جو قرآن مجید کے بعض اندراجات پر عیسائی کرتے ہیں۔ چنانچہ انجمن نے یہ کام بھی کر دیا۔ اسی طرح شاید جرمن ترجمے سے بھی زیادہ ڈچ ترجمے کی ضرورت تھی۔ جاوا۔ سماٹرا میں قریباً" دس کروڑ مسلمان ہیں اور جس طرح ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کی زبان انگریزی ہے۔ اسی طرح جاوا میں یہ مرتبہ ڈچ زبان کو حاصل تھا، لیکن ڈچ میں کلام مجید کو کوئی ترجمہ کسی مسلمان کا کیا ہوا نہ تھا اور چونکہ وہاں دور حاضر کے علمی مسائل کو حل کرنے کی ایسی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ جیسی ہندوستان میں سرسید اور سید امیر علی وغیرہ نے کی۔ اس لیے وہاں تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے روز بروز بیگانہ ہو رہا تھا اور مشنریوں کو دنیا کے کسی اسلامی ملک میں اتنی کامیابی نہیں ہوئی، جتنی ڈچ انڈونیشیا (جاوا سماٹرا) میں۔ احمدیہ جماعت نے اپنی بساط کے مطابق اس فتنے کا مقابلہ کیا۔ ۱۹۲۹ء سے جاوا میں احمدیہ مشن قائم ہے اور مشنریوں کے مقابلے کے لیے جو ہتھیار ہندوستان میں برسوں کی محنت اور تجربے کے بعد تیار ہوتے تھے، وہ

اب جاوا کے مسلمانوں کو مل رہے ہیں۔ ڈچ زبان میں دوسری کتب کی اشاعت کے علاوہ کلام مجید کا ترجمہ بھی چھپ گیا ہے اور امید ہے کہ اس سے کسی حد تک تعلیم یافتہ طبقے کی مذہب سے بیگانگی کا سد باب ہو گا۔

قرآن مجید کے تراجم کے علاوہ حدیث اور اسلامی تاریخ کے متعلق بھی احمدیہ جماعت مختلف کتب شائع کر رہی ہے۔ مولانا محمد علی نے مذہب اسلام پر ایک نہایت مبسوط اور مفصل کتاب لکھی ہے۔ جرمن، ڈچ، انگریزی، جاوی اور اردو زبان میں لاہوری احمدیوں نے رسالے جاری کیے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا انجمن نے لاہور سے ایک نہایت بلند پایہ سہ ماہی رسالہ مسلم ریواؤل (احیاء اسلام) کے نام سے انگریزی میں جاری کیا تھا، جس میں ادبی، سیاسی اور مذہبی مسائل پر نہایت بلند پایہ مضامین درج ہوتے تھے۔ علامہ اقبال نے اس کے لیے کئی مضامین لکھے۔ اگرچہ بعض نا مساعد اسباب کے باعث یہ رسالہ بند ہو گیا ہے، لیکن اپنی قلیل مدت حیات کے دوران میں اس نے اسلامی صحافت کا جو بلند معیار قائم کیا تھا، وہ بھی اسلام کی حقیر خدمت نہ تھی۔

تبلیغ اسلام

قرآن مجید کی اشاعت اور عام مذہبی خدمت کے علاوہ اہم ترین کام جو لاہور جماعت احمدیہ نے انجام دیا ہے۔ وہ بیرونی ملکوں میں اشاعت اسلام ہے۔ جس میں ابتدا اور غیر معمولی کامیابی کا سہرا، جماعت کے سب سے کامیاب مبلغ خواجہ کمال الدین کے سر پر ہے۔

خواجہ کمال الدین ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم مشن کالج لاہور میں پائی اور اس مخالفانہ مسیحی ماحول میں اسلام کی خوبیاں نمایاں کرنے کی وہ تڑپ پیدا ہوئی جس نے انھیں بالآخر ایک کامیاب تحریک تبلیغ کا بانی بنا دیا۔ اسی زمانے میں جماعت احمدیہ سے منسلک ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں بی۔ اے کی ڈگری لی اور اسلامیہ کالج میں پہلے پروفیسر اور جلد ہی بعد پرنسپل ہو گئے۔ ۱۸۹۸ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ پشاور میں پریکٹس شروع کی اور تھوڑے ہی عرصے میں وکلا کی صف اول میں آ گئے۔ ۱۹۰۳ء میں لاہور واپس آئے اور یہاں بھی اپنی پوزیشن برقرار رکھی۔ ۱۹۱۲ء میں جب طرابلس اور بلقان کی لڑائیوں کی وجہ سے اسلامی ہندوستان سخت بحران کی حالت میں تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہلال وصلیب کی آخری فیصلہ کن جنگ برپا ہے۔ آپ نے دنیوی دولت اور مستقبل کی ترقیوں کو نظر انداز کر کے انگلستان کا رخ کیا اور اپنی زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔

خواجہ صاحب ۱۹۱۲ء میں مولانا ظفر علی خاں کے ساتھ انگلستان تشریف لے گئے تھے اور مولانا کے ساتھ مل کر ایک انگریزی رسالہ مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو کے نام سے جاری کیا تھا، جواب اسلامک ریویو کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ سیاسی اور مذہبی معاملات میں اسلامی ہندوستان کی ترجمانی کرتا تھا، لیکن آہستہ آہستہ خواجہ صاحب نے یہ اندازہ لگالیا کہ تبلیغی کام خود اتنا اہم ہے کہ اگر اسی کے لیے زندگی وقف کر دی جائے اور سیاسی مسائل کو تبلیغی کوشش کے ساتھ جاری رکھ کر تبلیغ کے راستے میں رکاوٹیں نہ پیدا کی جائیں تو یہ بھی اسلام اور ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی خدمت ہو گی۔ چنانچہ انھوں نے اس کام پر زیادہ توجہ شروع کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے دیکھا کہ مغرب میں مبلغ اسلام کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمان کرے بلکہ مغرب میں مسلمانوں کے متعلق جو غلط فہمیاں صدیوں کے پروپیگنڈے سے راسخ ہو گئی ہیں، انھیں دور کرنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

خواجہ کمال الدین نے ۱۹۱۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے لیے جو پیغام بھیجا، اس میں انھوں نے مسلمانوں سے کہا: ''ممکن ہے ترکی کے موجودہ مصائب (جنگ بلقان) کا خاتمہ ہو جائے، لیکن دنیا میں تمھاری ہستی بطور قوم کے برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تمھارے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں، ان کو دور کیا جائے''۔ چنانچہ ووکنگ مشن کا دوسرا اہم کام ان غلط فہمیوں کی تردید ہے، جو اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں عام ہیں۔

احمدیہ مشن کے قیام کے لیے ایک مسجد کی ضرورت تھی۔ انگلستان میں مکانات بڑے گراں ہوتے ہیں، لیکن خوش قسمتی سے خواجہ صاحب کو بہت روپیہ خرچ کیے بغیر ووکنگ میں لندن سے کچھ دور ایک مسجد بنی بنائی مل گئی، جو ان کے مشن کا ہیڈ کوارٹر بنی۔ یہ مسجد ڈاکٹر لائٹنر (Leitner) نے بنوائی تھی جو اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل تھے۔ ڈاکٹر لائٹنر نے ۱۸۷۵ء میں سرولیم میور کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اسلام کے متعلق منصفانہ اور ہمدردانہ لیکچر دیئے تھے اور مسلمانان پنجاب کے نظام تعلیم پر ایک نہایت فاضلانہ رپورٹ لکھی تھی۔ جب وہ ترک ملازمت کے بعد انگلستان گئے تو وہاں انھوں

نے ووکنگ میں ایک انسٹی ٹیوٹ کھولا' جس میں ہندوستانی طلبہ کی رہائش کا انتظام کیا۔ طلبہ کی مذہبی سہولت کا خیال کر کے انھوں نے ہندوؤں کے لیے ایک مندر اور مسلمانوں کے لیے ایک مسجد بنوائی۔ جب ڈاکٹر لائٹز فوت ہو گئے اور یہ سلسلہ درہم برہم ہوا تو ان کے ورثا نے مندر کو تو آپس میں تقسیم کر لیا' لیکن مسجد پر ابھی انھوں نے قبضہ نہ کیا تھا کہ خواجہ صاحب انگلستان جا پہنچے۔ انھوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ جو مسجد ایک دفعہ وقف ہو جائے' پھر شخصی ملکیت نہیں ہو سکتی اور ہمیشہ کے لیے مسجد رہتی ہے۔ مرزا عباس علی بیگ نے جو وہاں انڈیا کونسل کے ممبر تھے اور سید امیر علی نے خواجہ صاحب کی بڑی مدد کی اور (غالباً" عدالت سے) اس کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ یہی مسجد اب ووکنگ مشن کا مرکز ہے۔ یہاں عیدین کی نماز کے لیے سارے انگلستان سے مسلمان طلبہ اور نو مسلم انگریز جمع ہوتے ہیں اور اخوت دینی اور اسلامی روحانیت کا ایک روح افروز مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس مسجد کا انتظام اب ایک ٹرسٹ کے ہاتھ میں ہے۔ خواجہ صاحب کی وفات ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء کو ہوئی۔ اب ایک اور صاحب امام مسجد ہیں۔

خواجہ صاحب کی وفات سے مشن کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔ مشن کی کامیابی کی بڑی وجہ خواجہ صاحب کی وجیہہ شخصیت' علمی قابلیت' مذہبی جوش اور اخلاقی جرأت تھی۔ تاہم مشن کا کام خواجہ صاحب کے وضع کیے ہوئے اصولوں پر چل رہا ہے اور اب بھی ووکنگ مشن ایک اہم قومی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ لارڈ ہیڈلے مرحوم' سر آرچی بالڈ ہملٹن' سر ہیو برٹ ریکلین' مسٹر ولیم بشیر پکرڈ بی۔ اے (کینٹب)' مسٹر سعید نیلکس ویلائی' مسٹر حبیب اللہ لوگرود وغیرہ جن لوگوں نے مشن کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ہے' ممتاز اور قابل قدر ہستیاں ہیں۔ اور اسلام یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اگر مشنریوں نے ہندوستان میں غریب یا ان پڑھ مسلمانوں میں سے چند ایک کو بپتسمہ دے دیا ہے تو اس کے مقابلے میں کئی معزز' تعلیم یافتہ اور قابل عیسائیوں نے اسلام کی حقانیت کا دل و جان سے اعتراف کیا ہے۔

لیکن مشن کے کام کا اندازہ فقط ان افراد کے اعداد و شمار سے نہیں ہو سکتا جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے' مشن کا ایک اہم کام اسلام اور مسلمانوں کے متعلق غلط فہمیاں دور کرنا ہے۔ اس کے علاوہ انگلستان میں ایک مذہبی اور روحانی مرکز قائم کر کے مشن نے ان سینکڑوں مسلمان طلبہ کو جو حصول تعلیم کے لیے انگلستان جاتے ہیں' مسیحی اثرات سے بچا لیا ہے۔ مسلمان طلبہ جمعہ کی نماز کے لیے یا کم از کم عید کے موقعے پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مذہبی جوش تازہ کر لیتے ہیں۔ اس طرح مسلمان طالب علم غیر مسلموں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود خالص اسلامی اور مذہبی فضا سے دور نہیں رہتے۔

ووکنگ مشن کا ایک اور فائدہ یہ ہوا ہے کہ اس نے دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے ہندوستانی مسلمانوں کا واسطہ پیدا کر دیا ہے اور وہ بھی ایسے مقاصد کے لیے جس پر کوئی گورنمنٹ معترض نہیں ہو سکتی۔ ووکنگ مسجد میں عیدین کی نماز کے لیے یا دوسرے اجتماعی موقعوں پر صرف ہندوستانی مسلمان ہی یکجا نہیں ہوتے بلکہ مصر' فلسطین اور دوسرے ممالک کے مسلمان طلبہ بھی آ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے مسائل و مشکلات سے واقف ہو جاتے ہیں۔

احمدیہ جماعت کی تبلیغی کوششیں صرف انگلستان تک محدود نہیں بلکہ انھوں نے کئی دوسرے ممالک میں بھی اپنے تبلیغی مراکز کھولے ہیں۔ دنیا کے مسلمانوں میں سب سے پہلے احمدیوں نے اور قادیانیوں نے اس حقیقت کو پا لیا کہ اگرچہ آج اسلام کے سیاسی زوال کا زمانہ ہے' لیکن عیسائی حکومتوں میں تبلیغ کی اجازت کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک ایسا موقع بھی حاصل ہے جو مذہب کی تاریخ میں نیا ہے اور جس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اگرچہ جو کام ابھی تک انھوں نے کیا ہے' وہ ایک کامیاب ابتداء سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا' لیکن انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے ایک نیا راستہ کھول دیا ہے' جس کے ذریعے وہ اپنے مذہب کی بڑی خدمت کر سکتے ہیں۔ اسلامی ہندوستان اور دوسرے ممالک کے درمیان روابط قائم کر سکتے ہیں اور دنیائے اسلام میں وہ سربلندی اور درجہ حاصل کر سکتے ہیں' جس کے وہ اپنی تعداد مذہبی جوش اور شاندار سیاسی روایات کی وجہ سے مستحق ہیں۔

(موج کوثر از شیخ محمد اکرام شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ' ۲ کلب روڈ۔ لاہور۔ ۱۹۸۷ صفحات ۱۷۷ تا ۱۸۷)